نصرة

شام میں رونما ہونے والے واقعات

خصوصی سرمایہ کاری سہولت کونسل

سنتِ رسول ﷺ پر حملہ

نصرۃ طلب کرنا اور اللہ کی نصر

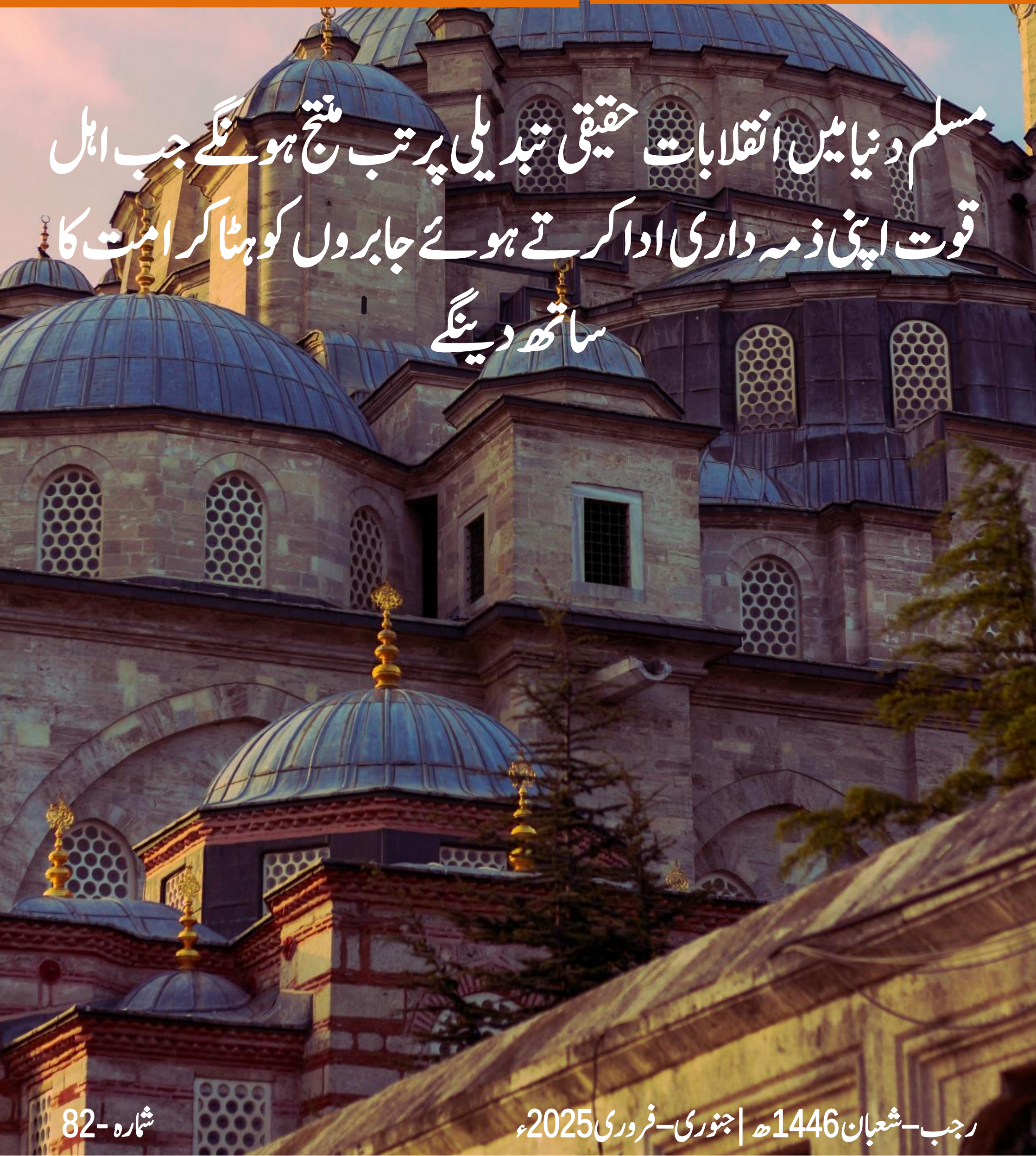

مسلم دنیا میں انقلابات حقیقی تبدیلی پر تب منتج ہونگے جب اہل قوت اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے جابروں کو ہٹا کر امت کا ساتھ دینگے

رجب–شعبان 1446ھ | جنوری–فروری 2025ء

شمارہ -82

نصرہ میگزین
ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس کی شائع کردہ میگزین

فہرست

مسلم دنیا میں انقلابات 3

تفسیر سورۃ البقرۃ(272-274) 5

مغربی ممالک کے انتخابات میں حصہ لینے 17

طوفان الاقصیٰ... آنے والی نسلوں پر اس کے اثرات و تغیرات 22

قواعد کی بنیاد پر مبنی عالمی آرڈر 30

عالمی تنظیموں اور حقوق نسواں کی تحریکوں 41

خصوصی سرمایہ کاری سہولت کونسل (SIFC) سے پاکستان کو پانچ خطرات درپیش ہیں 56

سنتِ رسول ﷺ پر حملہ 61

روس اور 'فتح' کا سراب 68

غداروں سے منہ موڑلیں 72

حزب التحریر کا استعمار سے آزاد کرانے کا مطالبہ 76

سوال وجواب: نصرۃ طلب کرنا، نصرۃ دینا، اور اللہ کی نصر 80

سوال کا جواب: شام میں رونما ہونے والے واقعات اور الاسد حکومت کا خاتمہ 84

میڈیا پیغام::یہودی وجود کا دندنانا 92

مسلم دنیا میں انقلابات حقیقی تبدیلی پر تب منتج ہونگے جب اہل قوت اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے جابروں کو ہٹا کر امت کا ساتھ دینگے

بنگلہ دیش، افغانستان ، اور اس سے قبل آنے والی تبدیلیوں کے بعد موجودہ شامی صورتحال میں بڑی تبدیلی کے بعد ایک بار پھر مقتدر طبقے نے اس پرانے بیانئے کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے کہ عوام کی جانب سے حکومت کے خلاف منظم جدوجہد "انتشار، فساد اور عدم استحکام" کو جنم دیتی ہیں۔ پاکستانی افواج کے سربراہ جنرل عاصم منیر ہو یا دیگر حکمران، کئی بار میڈیا رپورٹس میں ان سے ایسے بیانات منسوب کئے گئے کہ وہ اپنے ملک کو "لیبیا، شام، عراق یا سوڈان" نہیں بننے دیں گے۔ اس بیانئے کا جائزہ لینے کیلئے ہم مندرجہ ذیل نکات پیش کرتے ہیں؛

اولاً: فطری ریاست عوام کی سوچ، جذبات اور خواہشات کا مظہر ہوتی ہے، اور اسی پر مبنی قوانین، اقدار اور اصولوں کے ذریعے عوام کے امور کو آرگنائز کرتی ہے۔ پس امت اور ریاست کو ایک ہونا چاہیئے، جبکہ ان کی ریاست استعماری کافروں کے نظاموں، ایجنٹوں، اور تہذیب سے آزاد، اسلامی شریعت پر مبنی ہونی چاہیئے۔ اس سے ہٹ کر ہر ترتیب غیر فطری، عارضی، غیر مستحکم اور جبری حکمرانی کہلائے گی۔ عملاً مسلمانوں کے 57 ممالک میں سے کوئی ریاست فطری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی شعور کے بڑھنے کے ساتھ ریاست اور عوام کے درمیان خلیج ناقابل عبور سطح پار کر چکی ہے۔ اسی لئے جلد یا بدیر یہ "انقلابات" ناگزیر ہیں، جسے کوئی حسنی مبارک، بشار، بن علی، حسینہ واجد یا کوئی جنرل روک نہیں روک سکتا۔

دوم: امت پر حکمران کا محاسبہ لازم اور فرض ہے۔ اسلئے امت کی جانب سے ظالم، جابر حکمرانوں اور ان کی استعماری پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھانا نہ تو انتشار اور فساد ہے، نہ ہی اسے عدم استحکام سے تعبیر کرنے کی کوئی تُک بنتی ہے۔ تاہم یہ محاسبہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی بنیاد پر ہونا چاہیئے ، تاکہ موجودہ نظام اور حکمرانوں کو ہٹا کر ایک خلافت قائم کی جائے۔ لیکن یہ مقتدر طبقہ ہی ہے جو عوام کی موجودہ نظام سے نفرت کو کسی مشرف، زرداری، نواز یا کسی حسنی مبارک، بشار، کرنل قذافی یا بن علی کی جانب موڑ کر، چہرے کی تبدیلی سے عوام کے غصے کو ٹھنڈا کرتے ہوئے، انٹرنیشنل آرڈر کی غلامی کے سلسلے کو جاری رکھتا ہے۔ اور یہ سارا عمل مغربی آقاؤں کی براہ راست نگرانی میں سر انجام پاتا ہے۔ نتیجتاً کچھ عرصے بعد عوام ایک بار پھر نئے حکمران کے خلاف متحرک ہو جاتے ہیں، اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

سوم: لیبیا ہو، یا سوڈان، یمن ہو یا عراق، ان ممالک میں جاری انتشار کی وجہ یہ ہے کہ اہل قوت نے استعماری قومی ریاستوں، مغربی لبرل آرڈر اور ایجنٹ حکمرانوں کو ہٹانے کے بجائے، تاکہ ریاست کو مغربی ورلڈ آرڈر کی ایکسٹینشن کے بجائے امت کی امنگوں کے مطابق ترتیب دیا جائے، جابر حکمران کی سائیڈ لی، یا خاموشی اختیار کی، جس نے ایجنٹ حکمرانوں کو یہ موقع دیا کہ وہ عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑے، اور ان کا گلا گھونٹے۔ اس کشمکش نے افراتفری کو جنم دیا۔ اگر افواج حکمران کا ساتھ دینے کے بجائے عوام کا ساتھ دیتے اور حکمران کو ہٹا کر اسلام نافذ کرتے، تو کوئی انتشار جنم نہ لیتا۔ طاقت پر کنٹرول رکھنے کا یہ بنیادی تقاضا تھا کہ اس طاقت کو اسلام اور امت کیلئے استعمال کیا جاتا۔ لیکن امت قربانی دیتی رہی، کٹتی رہی، مرتی رہی، لیکن فوجی قیادتیں محض تماشا دیکھتے رہے اور اپنی ذمہ داری سے کنی کتراتے ہوئے حکمرانوں کے بیانئے کو دہراتے رہے۔ امت تو قربانیوں کیلئے ہمیشہ تیار رہی ہے، یہ اہل قوت کی کمزوری تھی، جس کے باعث لاکھوں مسلمان قربان ہوئے۔ پس جو اہل قوت مسلم ریاستوں کو انتشار سے بچاتے ہوئے حقیقی تبدیلی سے ہم کنار کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیئے کہ آگے بڑھے اور حزب التحریر کو نصرۃ دیں، تاکہ کسی انتشار، خون خرابے اور جھگڑے کے بغیر، مدینہ میں ریاست کے قیام کی مانند، خون بہائے بغیر مکمل تبدیلی آ سکے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا؛"...**ثم تكون ملكا جبرية، فتكون ما شاء الله أن تكون، ثم يرفعها إذا شاء أن يرفعها، ثم تكون خلافة على منهاج النبوة، ثم سكت.**"

"...پھر تم پر جبر کی حکمرانی ہو گی، جو جاری رہے گی، جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا، تو اسے اٹھا لے گا، پھر تم میں دوبارہ خلافت علیٰ منہج النبوی ﷺ قائم ہو گی، جس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے"۔ (مسند أحمد)

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ (272-274)

جلیل القدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ * لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الأَرْضِ يَحْسَبُهُمْ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنْ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ * الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلاَنِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

"تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ جو کچھ تم خیر کا خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے فائدے کے لیے ہے۔ تم صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے رہو۔ لہٰذا، جو کچھ تم خیر کا خرچ کروگے وہ تمہیں پورا پورا ادا کیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (272)۔ وہ ضرورت مند جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں، وہ زمین پر گھومنے پھرنے سے قاصر ہیں۔ ناواقف انہیں سوال کرنے سے بچنے کی وجہ سے مالدار سمجھتے ہیں۔ تم انہیں ان کی علامت سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔ اور جو کچھ تم خیر کا خرچ کرتے ہو، بے شک اللہ اسے جانتا ہے (273)۔ وہ لوگ جو اپنا مال رات اور دن، خفیہ طور پر اور علانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے" (274)۔ (البقرۃ: 2:272-274)

1۔ ان آیاتِ مبارکہ میں انفاق کے حوالے سے بیان جاری ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس دوران آیت کا ایک حصہ بیان کرتے ہیں، جو ظاہری طور پر، صدقہ سے غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔ عربی زبان میں، یہ جانا جاتا ہے کہ فصیح عرب، بے جوڑ تقریر نہیں کرتے ہیں۔ اگر وہ تقریر کو اس حصے سے شروع کرتے ہیں جو پہلے اور بعد میں آنے والی چیزوں سے منقطع نظر آتا

ہے، تو یہ ارادتاً ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بولنے والے نے تقریر کے اس حصے اور باقی تقریر کے درمیان ربط کو مخفی رکھا ہو گا، اسے واضح طور پر بیان نہیں کیا ہو گا، تاکہ اس ربط پر غور و فکر کی ترغیب دی جا سکے، اور تخلیقی ترتیب کے اس انداز کے ذریعے اس کی طرف توجہ مبذول کرائی جا سکے۔

یہ آیتِ مبارکہ بھی ایسی ہی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے اور اس کے بعد والی آیات صدقہ میں خرچ کرنے کا بیان کر رہی ہیں، لیکن اس آیت کے الفاظ کا ظاہری مطلب غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔ یہ انداز اس مقام پر توجہ مرکوز کرنے اور اس پر توقف کرنے کی ترغیب دیتا ہے، تاکہ اس تعلق کو گہرائی سے تلاش کیا جا سکے اور اس پر غور کیا جا سکے، جو کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے۔

اس آیتِ مبارکہ پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم لوگوں کو ہدایت پر چلنے اور اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کے ذمہ دار (مکلف) نہیں ہیں، کیونکہ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ، اللہ سبحانہ و تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، تو ہمیں اسلام کی دعوت دینی چاہیے، ہر اس عمل کا حکم دینا چاہیے جو درست (معروف) ہے، اور ہر اس عمل سے منع کرنا چاہیے جو برائی (منکر) ہے۔ اگر وہ مثبت جواب دیتے ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل (نعمت) ہے، کیونکہ وہ تمام لوگوں کو ہدایت دینے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا**﴾ "**اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو اس کی ہدایت دے سکتے تھے**"۔(السجدۃ؛32:13)

اس معنی پر غور کرتے ہوئے، اب ہم آیتِ مبارکہ کے اس حصہ کے اس سے پہلے آنے والے حصہ سے ربط کے بارے میں سوال کرتے ہیں، جو انفاق کے بارے میں ہے، اور اس سے بعد میں آنے والے حصہ سے متعلق، جیسے کہ وہ بھی صدقہ سے ہی متعلق ہے۔

کسی شخص کا اپنے کسی پیارے عزیز یا دوست کو ہدایت دینا اور اس کو اسلام کی طرف لانے کے لیے بے تاب ہونا ہی اس شخص کو اپنے اس عزیز یا دوست پر دباؤ ڈالنے یا اسے اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرنے پر ترغیب دیتا ہے۔ اس کام کو

کرنے کا ایک انداز مال کا استعمال کرنا ہے۔ اگر وہ شخص اس عزیز پر خرچ کر رہا ہو تو وہ مالی اعانت روک سکتا ہے تا کہ وہ اسلام قبول کر لے یا وہ مالی اعانت ملنے کو اسلام قبول کرنے سے مشروط کر دے۔ لہٰذا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے رشتہ داروں، یا جن سے ان کے رشتے ناطے ہوں، ان کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لیے مالی اعانت کو حربے کے طور پر استعمال کرنے سے روک دیا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ پر غور کرنے اور اس پر توقف کرنے سے دو اہم نکات سامنے آتے ہیں:

اول: اسلام میں داخل ہونے یا ہدایت پانے کے لیے یقین، اطمینان اور آزاد انتخاب کی ضرورت ہے، جبر یا زبردستی کی نہیں۔

دوم: رشتہ داروں، یا جس سے بھی تعلقات ہوں، انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے مالی اعانت کا استحصال نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی تصدیق بعض صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم کی طرف اس آیت کے سبب نزول سے متعلق روایت سے ہوتی ہے۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا، **كانوا، أي المسلمون، لا يرضخون لقراباتهم من المشركين فنزلت ﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ يرضخون يعطون شيئاً من أموالهم، أي كانوا لا ينفقون على قراباتهم لأنهم مشركون حتى يسلموا.**

مسلمان اپنے مشرک رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے گریز کرنے لگے تھے، اس لیے یہ آیت نازل ہوئی، **﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾** "تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے"۔ لفظ (يرضخون) اپنے مال کا ایک حصہ دینے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے رشتہ داروں پر خرچ نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ رشتہ دار مشرک تھے سوائے یہ کہ وہ اسلام قبول کر لیتے۔ ابن عباسؓ سے مروی ایک اور روایت میں، انہوں نے کہا، **كان أناس من الأنصار لهم أنسباء وقرابة من قريظة والنضير وكانوا**

يتقون أن يتصدقوا ويريدونهم أن يسلموا فنزلت﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ﴾ "انصار میں ایسے لوگ تھے جن کے قریظہ اور نضیر کے قبائل سے رشتہ داری اور تعلقات تھے۔ وہ انہیں صدقہ دینے سے ہچکچاتے تھے، اور یہ چاہتے تھے کہ ان کے رشتہ دار اسلام قبول کر لیں۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی، ﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ﴾ "تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو"۔

یہاں، اس روایت میں مذکور (يتصدقوا) "صدقہ دینا" کا مطلب رشتہ داری اور خرچ کرنا ہے، کیونکہ صدقہ اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنے کے لیے ہے، جو مسلمان کے علاوہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔

ابن جریرؒ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، **كانوا يتقون أن يرضخوا لقراباتهم من المشركين حتى نزلت ﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾** "وہ اپنے مشرک رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے ڈرتے تھے، یہاں تک کہ مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی ﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ **"تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو، بلکہ اللہ ہی ہے جو جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے"۔**

القرطبی نے بعض مفسرین کی سند سے ذکر کیا ہے کہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنھا اپنے دادا ابو قحافہ سے ملنا چاہتی تھیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے گریز کیا کیونکہ وہ کافر تھے، تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لہٰذا، آیات کا سیاق و سباق ایک ترتیب سے جاری ہے جس میں لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کے لیے خرچ کرنے یا خرچ کو روک لینے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں شرعی احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے یا اسلامی ریاست کی طرف سے ان پر شریعت کے احکامات کا نفاذ نہ

کیا جائے، جو کہ فرضِ عین ہے۔

ہم اس بات کا ذکر آیت ﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ **"دین میں کوئی جبر نہیں ہے"** (سورۃ البقرۃ؛256:2) کی تفسیر میں پہلے ہی کر چکے ہیں، لہٰذا اس حوالے کے لیے اس آیت کی طرف رجوع کریں۔

پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ خرچ کرنے کے موضوع پر اپنی آیات کو مکمل کرتے ہیں، اور اس آیتِ مبارکہ میں خرچ کرنے کے دیگر شرعی احکامات کی وضاحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ وضاحت کی کہ خرچ کرنا احسانات کی یاد دہانی اور نقصان سے پاک ہونا چاہیئے، اور اس میں ریاکاری نہیں ہونی چاہیئے، اور یہ خراب اور کمتر مال میں سے نہیں ہونا چاہیئے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جو کوئی خرچ کرتا ہے تو اس کے لیے اس میں خیر ہے۔ وہی ہے جسے اس کا بدلہ ملے گا۔ اس کو دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا بدلہ دیا جائے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتا ہے۔

جہاں تک، ﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ﴾ **"تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو"** کی بات ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے، لہٰذا یہ ان کی امت سے بھی خطاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ 'تم اس بات کے ذمہ دار (مکلف) نہیں ہو کہ انہیں ہدایت پر چلنے پر مجبور کرو۔ ذمہ دار (تکلیف) کا معنی لَّيْسَ عَلَيْكَ "تم ذمہ دار نہیں ہو" سے آیا ہے۔ ہدایت سے مراد اسلام ہے۔

جہاں تک ﴿وَلَـٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ **"لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے"** کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ہدایت دینے پر قادر ہے، لیکن اس عزت و جلال والے کی حکمت نے یہ طے کیا ہے کہ وہ انہیں انتخاب کرنے کی آزادی دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ﴾ **"اور ان میں سے کچھ ایمان لائے اور ان میں سے کچھ نے کفر کیا"**۔ (سورۃ البقرۃ؛2:253)

جہاں تک ﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ﴾ **"جو کچھ تم خیر کا خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے**

ہے"کا تعلق ہے تو یہاں "جو کچھ (ما)" کو"سے (مِن)" کے ذریعے "خیر" کے حصے (تبعید) سے مشروط کیا گیا ہے، جس کا مطلب مال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر خیر کو، خرچ کرنے کے سیاق و سباق میں لایا جائے تو اس کا مطلب مال ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے خرچ کرنے کے سیاق و سباق میں نہ لایا جائے، تو ضروری نہیں کہ اس سے مراد مال ہو، بلکہ یہ کوئی اور چیز بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَه﴾ **"جو کوئی ذرہ برابر نیکی بھی کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا"**۔ (سورۃ الزلزال:7)

جہاں تک ﴿فَلِأَنفُسِكُمْ﴾ **"تمہارے لیے"** کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے، اور آخرت میں کوئی اس سے فائدہ نہیں اٹھائے گا سوائے تمہارے۔ "ف" کو شرط کے جواب کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

جہاں تک ﴿وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ﴾ **"اور تم صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے رہو"** کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا بدلہ تمہارے لیے ہے اگر تم اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے رہو۔

جہاں تک ﴿وَمَا تُنفِقُونَ﴾ **"تم خرچ نہیں کرتے ہو"** کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے ہو۔ اور "(و)" حال کی حالت کے لیے ہے اور یہاں، جملہ ایک حالت ہے۔ اور ﴿ابْتِغَاءَ﴾ "حاصل کرنے کے لیے" مفعول بہ ہے۔

جہاں تک ﴿وَجْهِ اللَّهِ﴾ **"اللہ تعالیٰ کی رضا"** کا تعلق ہے تو یہاں پر یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کنایہ ہے۔ اس ترکیب میں، اللہ کے لیے خالص اخلاص ہے۔ لہٰذا اگر آپ یہ کہیں کہ "میں نے یہ زید کی خاطر کیا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ صرف اس کے لیے کیا ہے، یا آپ نے یہ اس کے لئے اور کسی اور کے لیے کیا ہے، یعنی اس کا مطلب شراکت بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ "میں نے یہ زید کی رضا کے لیے کیا ہے"، تو یہ خالصتاً اکیلے زید کے لیے ہو گا۔

چنانچہ، ﴿إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ﴾ **"صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے"** کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام خلوص دل سے صرف اللہ کے لیے ہے۔

جہاں تک ﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ **"اور جو کچھ تم خیر کا خرچ کرو گے وہ تمہیں واپس کیا جائے گا، اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا"** کا تعلق ہے تو یہ شرطیہ جملے ﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ﴾ "اور جو کچھ تم خیر کا خرچ کرو گے تو وہ تمہارے اپنے لیے ہو گا" کی وضاحت ہے۔ یعنی یہ ﴿فَلِأَنفُسِكُمْ﴾ **"تمہارے لیے"** کی وضاحت ہے کہ دنیا اور آخرت میں تمہیں واپس کیا جائے گا، بغیر کسی ظلم کے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی ادائیگی میں سے کچھ کم کئے بغیر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بدلہ دیتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے، اس دنیا میں مال میں برکت ڈال کر، اور آخرت میں عظیم اجر کے ساتھ۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **«اللهم اجعل لمنفق خلفاً ولممسك تلفاً» "اے اللہ، خرچ کرنے والے کے لیے متبادل بنا، اور روکنے والے کے لیے نقصان"**۔ [بخاری و مسلم]

2۔ پھر اللہ تعالیٰ وضاحت کرتے ہیں کہ صدقہ میں ترجیح ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو جہاد کے لیے وقف ہیں، اور جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے رزق کی تلاش کے لیے زمین پر جدوجہد (سعی) کرنے سے قاصر ہیں، اور وہ لوگ جو لوگوں سے مانگنے پر اصرار نہیں کرتے، جیسے کہ وہ غنی ہوں کیونکہ وہ مانگنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور اگر ان کے جسم پر بھوک کے اثرات اور ان کے لباس کی خستہ حالی سے ان کی حاجت ظاہر نہ ہوتی تو کوئی ان کی ضرورت کو نہ جان سکتا۔

ان پر خرچ کرنے کا اجر بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر خرچ کرنے میں نیت کے اخلاص کا جاننے والا ہے۔

جہاں تک ﴿لِلْفُقَرَاءِ﴾ **"فقیروں کے لیے"** کا تعلق ہے تو یہ ایک حذف شدہ خبر کے لیے مبتداء ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کا صدقہ غریبوں کے لیے ہے۔ یہاں حرف "ل" (کے لیے) انتقال کے لیے آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ صدقہ دینے والا اس بات کا خواہاں ہو کہ اس کا صدقہ غریبوں کو ملے۔

جہاں تک ﴿الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ "وہ جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں" یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد کے لیے وقف ہیں، جس کا مطلب ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد نے انہیں روک کر رکھا ہوا ہے۔

جہاں تک ﴿لاَ يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الأَرْضِ﴾ **"وہ زمین پر گھومنے پھرنے سے قاصر ہیں"** اس کا مطلب ہے کہ وہ روزی کمانے کے لیے زمین پر گھومنے پھرنے سے قاصر ہیں کیونکہ وہ جہاد میں مصروف ہیں۔

جہاں تک الحصر "پابندی" کا تعلق ہے تو اس کا مطلب روک لینا ہے۔ لہٰذا جو کوئی روزی کمانے کے لیے جہاد میں مصروف ہے، یا جو کوئی جہاد میں زخمی ہے جس کی وجہ سے وہ روزی کمانے سے قاصر ہے، تو یہ آیت اس پر لاگو ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پر خرچ کرنے میں بہت بڑا اجر ہے۔

یہ ان لوگوں پر بھی لاگو ہوتا ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں "اہل صفہ" کہا جاتا تھا، جو بیماری اور جہاد کی وجہ سے روزی کمانے سے قاصر تھے، اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھیجی گئی ہر مہم کے ساتھ نکلتے تھے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

یہ اور وہ (دونوں اقسام کے فقراء)، دیگر غریب لوگوں پر خرچ کرنے میں ترجیح رکھتے ہیں۔ یعنی ان پر جو جہاد کی وجہ سے پابند نہیں ہیں، اور جو رزق کی تلاش میں زمین پر جدوجہد کرنے کے قابل ہیں۔

جہاں تک ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ **"ناواقف انہیں سوال کرنے سے بچنے کی وجہ سے مالدار سمجھتے ہیں"** کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مانگنے سے بچنے کی وجہ سے۔ یہاں 'سے (من)' وضاحت کے لیے ہے، جبکہ التَّعَفُّفِ کسی چیز کو چھوڑ دینا ہے، اور اس سے منہ موڑ لینا ہے، جبکہ وہ ایسا کرنے کے قابل ہو۔

جہاں تک ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ﴾ **"تم انہیں ان کی علامت سے پہچان لوگے"** کا تعلق ہے تو یہ ان کے جسم پر بھوک کا اثر اور ان کی خراب حالت کی طرف اشارہ ہے۔

جہاں تک ﴿لاَ يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ **"وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے"** تو اس کا مطلب ہے کہ وہ

مسلسل نہیں مانگتے رہتے۔ جو کہ مستقل مزاجی کے ساتھ مانگنا ہے اور اس وقت تک مانگتے رہنا ہے کہ جب تک اسے کچھ دے نہ دیا جائے۔ یہ کہنا کہ (لحفني من فضل لحافه أي أعطاني من فضل ما عنده.) **"اس نے مجھے اپنے اضافی غلاف سے ڈھانپ لیا، جس کا مطلب ہے کہ اس نے مجھے اپنا اضافی سامان دے دیا"**۔ لپٹ کے مانگنے کے لفظ (إلْحَاف) کا ماخذ لفظ (اللحاف) یعنی غلاف ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ اس میں مانگنے کے تمام پہلوؤں کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے غلاف میں ڈھانپ لینا شامل ہوتا ہے، یعنی یہ سائل تمام لوگوں کو ڈھانپ لیتا ہے، اور ان کے ساتھ لگا رہتا ہے جب تک کہ وہ اسے کچھ دے نہ دیں۔ گویا وہ ایسا کرنے پر اصرار کر رہا ہے۔

جہاں تک **﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ "اور جو کچھ تم خیر کا خرچ کرتے ہو، بے شک اللہ اسے جانتا ہے"** اس کا مطلب ہے کہ اللہ تمہیں اس کا بدلہ نیکی سے دے گا۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب کے لیے ہے۔

3۔ پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے عظیم اجر اور بلند مقام کو بیان کرتے ہیں جو ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنا مال روک کے نہیں رکھتے ہیں۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہو گا، اور انہیں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

جہاں تک **﴿بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلاَنِيَةً﴾ "رات اور دن، خفیہ طور پر اور اعلانیہ طور پر"** کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں۔ اللہ نے دن سے پہلے رات اور اعلانیہ سے پہلے خفیہ طور پر کا ذکر کیا ہے، جو کھلے عام دینے پر چھپ کر دینے کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

جہاں تک **﴿فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ "ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے"** کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت پہلے کی گئی

ہے۔

ابن سعد نے الطبقات میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت گھوڑوں کے چارے کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جو اللہ کی راہ سے منسوب ہے۔

ابن سعد نے الطبقات میں یزید بن عبد اللہ بن عریب سے انہوں نے اپنے والد سے اور اپنے دادا عریب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے بارے میں پوچھا گیا، ﴿**الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً**﴾ **"جو لوگ اپنا مال رات اور دن، خفیہ طور پر اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں"** تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **هم أصحاب الخيل** "یہ گھوڑوں کے مالک ہیں" (حوالہ: الدر المنثور (100/2): ابن سعد، طبقات (433/7) یزید بن عبد اللہ بن عریب نے اپنے والد سے، اور دادا عریب سے روایت کی ہے)

اس موضوع پر آخری بات: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے اجر کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ سات سو گنا تک ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب سے وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کی شرائط کی وضاحت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں،

= یہ احسانات کی یاد دہانی یا نقصان پہنچانے کے بغیر ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿**لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ**﴾ **"اپنے صدقات کو احسانات کی یاد دہانی یا تکلیف دے کر ضائع نہ کرو"۔**

= اور یہ کہ اس میں ریاکاری نہ ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ**﴾ **"اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال اس چٹان کی طرح ہے**

جس پر مٹی جمی ہوتی ہے، پھر اس پر بارش برستی ہے اور اسے بنجر چھوڑ دیتی ہے۔ ان چیزوں پر ان کا کوئی اختیار نہیں جو انہوں نے کمایا ہے۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

= اور یہ کہ یہ خراب اور کمتر دولت سے نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ﴾ "اور خرچ کرنے کے لیے اس میں سے خراب چیز کی طرف نہ دیکھو"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی کہ مال خرچ کرنا اور رشتہ داروں اور ان سے متعلق لوگوں کے ساتھ تعلقات کو برقرار رکھنا، انہیں اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اسلام میں داخل ہونا قائل ہونے اور آزاد انتخاب کے ذریعے ہونا چاہیئے۔ آپ ان کی ہدایت کے جواب دہ نہیں ہیں۔

اسی طرح، اللہ تعالیٰ نے واضح کی ہے کہ خرچ کرنا صدقہ دینے والے کے لیے خیر لاتا ہے، اگر یہ خالصتاً اللہ کے لیے ہو۔ لہٰذا اسے زیادہ سے زیادہ اجر حاصل کرنے کے لیے صدقے کو بڑھانا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ "اور جو کچھ تم خیر کا خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے ہے۔ اور تم صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے رہو۔ اور جو کچھ تم خیر کا خرچ کروگے وہ تمہیں پورا پورا ادا کیا جائے گا، اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ ہر حال اور ہر وقت اللہ کی راہ میں اچھا خرچ کرنے کے موضوع پر ان آیات کا اختتام کرتے ہیں، تاکہ انسان رب العالمین سے عظیم اجر حاصل کر سکے، قیامت تک اپنے مستقبل کے بارے میں محفوظ رہے، اور اللہ کی طرف سے اپنے گزرے ہوئے دنوں کی بخشش کا یقین حاصل کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ دونوں جہانوں کی کامیابی سمیٹے، اور یہی عظیم کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ "ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے"۔

یہ سب اللہ، قادرِ مطلق، کی راہ میں حلال، پاک اور خالصتاً اس کی خاطر خرچ کرنے کے بدلے میں ہے۔

فہرست

مغربی ممالک کے انتخابات میں حصہ لینے کی دعوت دراصل کافر مغربی معاشروں میں ضم ہونے اور اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچانے سے روکنے کی دعوت ہے

حزب التحریر کا مرکزی میڈیا آفس

مغرب میں ہونے والے ہر انتخابات میں، چاہے وہ صدارتی انتخابات ہوں یا پارلیمانی، مغرب میں موجود مسلم کمیونٹیز کے بہت سے ارکان ان ممالک میں ہونے والے انتخابات میں اپنا اپنا حصہ ڈالنے کا مطالبہ کرتے ہوئے اپنی آوازیں بلند کرنے لگتے ہیں۔ یہ ارکان، جن میں "شیوخ" اور اسلامی مراکز کے عہدیدار بھی شامل ہیں، ایک طرح سے وہی کام کرنے لگتے ہیں جو کہ انتخابی مہم سے مماثلت رکھتا ہے یعنی وہ مسلم کمیونٹیز کو کسی خاص پارٹی یا امیدوار کے حق میں ووٹ دینے کی ترغیب دینے لگتے ہیں۔ یہ شیوخ ووٹنگ سے گریز کرنے کی بات نہیں کرتے، یہاں تک کہ اگر امیدوار ان "شیوخ" کی پسند کے مطابق نہ بھی ہوں، تب بھی وہ انتخابات میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کی ضرورت پر زور دیتے رہتے ہیں، چاہے مسلمان ووٹر بیلٹ باکس میں خالی بیلٹ پیپر ہی ڈالے۔ یہ "شیوخ" دعویٰ کرتے ہیں کہ انتخابات میں حصہ لینا ایک مذہبی اور "قومی" فریضہ ہے۔

اس عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس دعوت کا اصل مقصد مسلمان اور ان کی کمیونٹی کا اثر اور وزن ہے نہ کہ ان کے ووٹوں کی تعداد۔ وہ اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان کمیونٹیز، چاہے ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، کبھی کبھی انتخابی نتائج طے کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔ جیسا کہ الجزیرہ عربی نے امریکی انتخابات کے موقع پر "سات ریاستوں میں انتخابات کا نتیجہ مسلمانوں کے ہاتھ میں" کے عنوان سے ایک دھوکہ آمیز رپورٹ نشر کی تھی۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد نسبتاً کم ہے، جو 336 ملین کی کل آبادی میں تقریباً 3.5 سے 4 ملین ہے"، اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا کہ "صدر کے انتخاب میں ان مسلمانوں کا اثر ورسوخ نمایاں ہو گا، خاص طور پر ان فیصلہ کن ریاستوں جیسے پنسلوانیا، مشی گن، ایری زونا، نیواڈا، جارجیا، شمالی کیرولائنا اور وسکونسن میں، جہاں دو بڑی پارٹیوں، ریپبلکن اور ڈیموکریٹک، کے مابین کانٹے کا مقابلہ تھا"۔

<u>اول:</u> پہلے تو مسلمان ان مغربی ممالک میں اس طرح کی پکار دینے پر ہی حیران ہیں، جہاں کی حکومتیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ کے سوا کسی اور قانون کے تحت حکومت کرتی ہیں، اور مقامی اور عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں سے

دشمنی رکھتی ہیں۔ ہمیں ان فتوؤں کے لیے شریعت میں کوئی دلیل نہیں ملتی، اور حقیقت میں یہ اسلامی فقہ کے بنیادی اصولوں سے ہی ٹکراتے ہیں۔ ان بنیادی اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ انتخابات ایک ذمہ داری سونپنے (وَکالَہ) کا معاہدہ ہوتا ہے، جو ووٹر اور منتخب ہونے والے کے درمیان ہوتا ہے۔ تو آخر کس طرح یہ "شیوخ" ایک مسلمان کو یہ اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ کسی کافر کو حکمرانی کرنے کا ذمہ دار بنائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے علاوہ کسی اور کے مطابق حکمرانی کرے صرف اس لئے کہ اس میں اس کے اپنے ملک کا مفاد ہے؟

آخر کیسے یہ "شیوخ" اس بات کی اجازت دے سکتے ہیں جبکہ اس کافر کی حکمرانی اس کے اپنے ملک کے آئین، قوانین اور پالیسیوں کے مطابق ہوتی ہے، جو کہ ہمیشہ امت مسلمہ اور اس کے مفادات کے برعکس ہوتی ہیں، چاہے وہ کہیں بھی ہوں؟! سب سے تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ جب آپ انہیں اس مسلمہ اصول کی یاد دہانی کراتے ہیں تو وہ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے دعوے کا جواز یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ "ہم دو برائیوں میں سے کم برائی کو منتخب کر رہے ہیں"، یا جیسا کہ ان "شیوخ" میں سے ایک نے یہ کہا کہ لوگوں کے پاس "ابو جہل اور ابو لہب کی بیوی (حمالة الحطب) کے درمیان انتخاب کا اختیار ہے"، جبکہ وہ ایک تیسرے، غیر معروف امیدوار کی طرف اشارہ کر رہے تھے جس کا انتخابات میں کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ جب یہ "شیوخ" اس فقہی قاعدے، یعنی "دو برائیوں میں سے کمتر برائی کو اختیار کرنا" کو شریعت کے حکم کے طور پر پیش کرتے ہیں، تو وہ یہ نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جن بعض علماء نے اس اصول کو اپنایا، انہوں نے اس قاعدے کے لئے یہ شرط رکھی کہ مسلمان کو ان دو برائیوں میں سے ایک کو زبردستی قبول کرنے پر جبراً مجبور کر دیا گیا ہو۔ ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ دو برائیوں میں سے ایک کا انتخاب کرے، جبکہ وہ چین و آرام کی حالت میں ہو، یعنی اس پر کوئی دباؤ یا مجبوری نہ ہو۔

لہٰذا، حتیٰ کہ اگر ان شیوخ کے مطابق اس اصول کو اپنا بھی لیا جائے تو بھی ہمیں مغربی انتخابات میں شرکت کے لیے شریعت میں کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ ہم مغرب میں رہنے والے تمام مسلمانوں سے، خاص طور پر "شیوخ" اور اسلامی مراکز کے عہدیداروں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کو ہرگز اختیار نہ دیں جو ان پر کفر کے ساتھ حکومت کرتے ہیں، اور مغرب کے منصوبوں میں ایجنٹ بن کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور انہیں دنیا بھر میں قتل کرتے ہیں۔ ہم انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ ایسے فتاویٰ پر کان نہ دھریں جو اللہ

تعالیٰ کی بھیجی گئی شریعت کے خلاف ہوں۔ ہم انہیں یہ بھی نصیحت کرتے ہیں کہ اس فانی دنیا اور زندگی کی عافیت پر انحصار نہ کریں اور کسی فرضی ڈراوے اور لالچ کی پالیسی سے مرعوب نہ ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿**أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا**﴾ **"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا معاملہ طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس (طاغوت) کا انکار کردیں، اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر گمراہی میں ڈال دے"** (سورۃ النساء: 4:60)۔

دوم: مغربی انتخابات میں شرکت کرنا کافر سیکولر نظام کو قبول کرنے کے مترادف ہے۔ مغرب میں رہنے والے مسلمانوں پر شریعت کی رُو سے فرض ہے کہ وہ اہل مغرب کو مکمل اسلام کی طرف دعوت دیں، اسے تمام انسانیت کے لیے ایک رحمت کے پیغام کے طور پر پیش کریں، اور پورے اسلام کی دعوت دیں، نہ کہ صرف انفرادی عبادات تک محدود رہیں۔ اسلام کی طرف دعوت لازماً ایک مکمل طرز حیات، طرزِ حکمرانی، معیشت اور زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرف دعوت ہونی چاہیے۔ یہ ہے اسلام کی دعوت کا مطلب، خاص طور پر جبکہ مغرب خود ایک تہذیبی زوال کی کیفیت میں ہے۔ مغرب کو تہذیبی متبادل کی اشد ضرورت ہے جو مغربی لوگوں کو اس سیکولر تہذیب کے فساد سے بچائے جو خود ان مغربی اقوام کے لیے بھی بدبختی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ مغربی تہذیب خود مغربی ممالک کے اندر بھی ایک لعنت بن چکی ہے اور دنیا کی دیگر اقوام، بشمول امت مسلمہ، کے لیے بھی وبال ثابت ہو رہی ہے۔ لہٰذا، اسلام کی طرف دعوت ایک عظیم اسلام کی طرف دعوت ہونی چاہیے جو مغربی تہذیب کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لے، یعنی مغرب کے اس نظام کی جگہ جو ظالمانہ سیکولرازم پر مبنی ہے۔ اور اس امر کا تقاضا یہ ہے کہ مغرب میں مقیم مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سیکولر نظام سے انکار کا اعلان کریں، اور مغربی معاشرے کے سامنے اسلام کو ایک تہذیبی متبادل کے طور پر پیش کریں، حتیٰ کہ یہ بات سیاسی عہدوں کے امیدواروں کے سامنے بھی رکھیں اور ان میں سے کسی کو ووٹ نہ دیں، چاہے وہ کتنی بھی جھوٹی باتیں اور دھوکہ دے کر لوگوں کو یقین دلائے کہ وہ ان کی خدمت اور ان کے مفادات کی حفاظت کرے گا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «**وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لاَ يَسْمَعُ بِي أحد من هذه الأمة لا يَهُودِيٌّ، وَلاَ نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النار**» **"قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اس**

امت میں سے کوئی بھی، چاہے یہودی ہو یا عیسائی، میری دعوت سن لے اور پھر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمیوں میں سے ہو گا"[احمد]۔

سوم: مغرب میں مسلم تارکین وطن کمیونٹیز کا اسلام کی وحدت کے تحت اکٹھا ہونا اور اسلام کو رہنمائی اور رحمت کا پیغام بنا کر آگے بڑھانا ہی انہیں مغربی معاشروں میں مثبت کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے۔ مغرب کے لوگوں کی طرف اسلام کا پیغام ایک الہامی پیغام ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو چند مٹھی بھر سرمایہ داروں کے جبر کا شکار ہیں، وہ سرمایہ دار جو بڑی بڑی بین الاقوامی کمپنیوں کے مالکان کی حیثیت سے اپنے مالی مفاد کی خاطر لوگوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ ان لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ایک شرعی فریضہ ہے، نہ کہ ان کے اس طرز زندگی میں شرکت کرنا جس نے ان کی اپنی زندگیوں کو بھی اجیرن کر دیا ہے اور ان پر اللہ کا غضب مسلط کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی وحدت انہیں ان لوگوں کی سازشوں سے بھی محفوظ رکھتی ہے جو ان کے خلاف اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **«عليكَ بالجماعةِ فإنَّما يأكلُ الذئبُ منَ الغنمِ القاصيةَ» "جماعت کے ساتھ رہو، کیونکہ بھیڑیا تنہا بھیڑ کو ہی کھاتا ہے"**[احمد]۔

مثال کے طور پر، جب امریکہ میں دس ملین مسلمان ہوں اور ان کی نمائندگی کرنے والا کوئی موجود ہو، تو یہ نمائندگی انہیں ایسی قوت بنا دیتی ہے جسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ اس صورت میں، ان کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، خاص طور پر جب ان کے مطالبات شریعت کے مطابق جائز اور منصفانہ ہوں۔ مثلاً، شہری ہونے کے ناطے اپنے قانونی حقوق کا مطالبہ کرنا، چاہے وہ انتخابات میں حصہ لیں یا نہ لیں۔ اسی طرح، ان کا یہ مطالبہ بھی کہ یہودی وجود کو وہ ہتھیار فراہم نہ کیے جائیں جن سے وہ غزہ میں ہمارے مسلمان بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں۔

چہارم: ہم مغرب میں موجود مسلمانوں کو اسلام اور مسلمانوں کے سچے سفیر بننے کی دعوت دیتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ حبشہ ہجرت کرنے والے صحابہ، جن میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، ان کی سیرت سے نصیحت حاصل کریں۔ انہیں چاہیے کہ وہ مغربی معاشروں میں گھل مل نہ جائیں اور ان میں ضم نہ ہو جائیں، ایسی مغربی سیاسی راہوں پر نہ چلیں جو انہیں اس دعوت حق کو لے کر چلنے کے وصف سے محروم کر دے جو کہ تمام انسانیت کے لئے ہے۔

ہم انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان معاشروں میں ممتاز اور مثبت کردار ادا کریں، دعوت و تبلیغ سے لوگوں کو سرمایہ دار حکمرانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل کریں۔ یہ اسلام کی دعوت ایک عقیدے اور

زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے ایک مکمل طرزِ زندگی کے طور پر دی جانی چاہیئے۔ اس طرح سے ہی وہ ان ممالک کے لوگوں کے درمیان رہنے کی اپنی ذمہ داری کو پورا کر کے اپنے ضمیر کو مطمئن کر سکیں گے اور روزِ قیامت ان پر پیغام پہنچانے میں ناکامی کا بوجھ نہ ہو گا۔ اس طرح وہ اللہ کے پیغام کو اس انداز میں پہنچا کر اپنے رب کو راضی کریں گے جو اس کی خوشنودی کا باعث ہے۔ اس طرح سے ہی وہ اپنے آپ کو اور آئندہ نسلوں کو کفر کی زندگی اور اس کے طور طریقوں میں ضم ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ **"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو، اور ان سے احسن طریقے سے بحث کرو۔ بے شک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹک گیا اور کون ہدایت یافتہ ہے"**[النحل؛16:125]

حزب التحریر کا مرکزی میڈیا آفس

فہرست

طوفان الاقصیٰ... آنے والی نسلوں پر اس کے اثرات و تغیرات

نصر فیاض / ابو ابراھیم، فلسطین کی بابرکت سرزمین سے

آپریشن 'طوفان الاقصیٰ' اور اہل غزہ اور فلسطین کی بابرکت سرزمین کے لوگوں کے خلاف جارحیت نے امت مسلمہ میں بڑے پیمانے پر ہلچل پیدا کر دی ہے، اور ایسے احساسات اور جذبات پیدا کیے، جس نے ان کی روح کو گہرائی میں جھنجوڑ دیا۔ اس سب نے متعدد سطحوں پر ایسے شعور اور تبدیلیوں کو جنم دیا جس کا اثر آنے والی نسلوں کو بھی متاثر کرتا رہے گا۔ کوئی بھی مبصر، بلکہ کوئی بھی اہل نظر ان تبدیلیوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ مغربی سفارت خانے، جو مسلم علاقوں میں مغرب کی آنکھ کی حیثیت رکھتے ہیں، انہوں نے بھی ان تغیرات اور تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے جائزوں کے مطابق، یہ اثر امت کے نوجوانوں کی ایک پوری نسل کو متاثر کرے گا - ایک ایسی نسل جسے مغرب، مغربیت پسندی، اخلاقی بگاڑ اور کمزور مسلم شناخت کے ذریعے نشانہ بنا رہا تھا۔ مختلف ممالک میں امریکی اور فرانسیسی سفارت خانوں جیسے عمان، مصر اور اردن میں امریکی سفارت خانوں نے اس مسئلے کے حوالے سے انتباہ جاری کیا۔ سی این این نے انکشاف کیا کہ امریکی صدر جو بائیڈن کو عرب دنیا میں امریکی سفارت کاروں کی طرف سے سخت انتباہ موصول ہوا، جس کے مطابق "غزہ پر 'اسرائیل' کی تباہ کن جنگ کے لئے واشنگٹن کی مضبوط حمایت" اسے پوری نسل کے لئے عرب عوامی حمایت سے محروم کرنے کا سبب بن رہی ہے"(الجزیرہ، 2023/10/11)۔

اسی طرح دس فرانسیسی سفیروں کی جانب سے فرانسیسی صدر کو بھیجے گئے داخلی میمو میں ایک انتباہ سامنے آیا ہے جس میں خطے میں فرانس کے کم ہوتے اثر و رسوخ پر مایوسی اور تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ سب خطے میں ہونے والی انقلابی تبدیلیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خطرات کا پیش خیمہ ہے۔ ہم ان تبدیلیوں کا جائزہ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت لے سکتے ہیں: (1) یہودی ریاست میں اسٹریٹجک بحران اور داخلی انتشار (2) عالمی سطح پر تبدیلیاں، اور (3) امت پر اثرات۔

یہودی ریاست میں اسٹریٹجک بحران اور داخلی انتشار:

1- یہودی وجود کی کمزوری بے نقاب ہوچکی اور اس کی سکیورٹی حکمت عملی، جو آنے والے خطرات کو بھانپ لینا، بچاؤ اور فیصلہ کن اقدام پر مبنی تھی، 7 اکتوبر کو ناکام ہو کر رہ گئی۔ غزہ کے پر عزم جنگجوؤں کے سامنے یہودی وجود کی سلامتی اور فوجی برتری ایک خستہ حال دیوار ثابت ہوئی۔

2- 7 اکتوبر کا دھچکا اور اس کے بعد بیان کردہ فوجی مقاصد کے حصول میں ناکامی، سیاسی اور سماجی عدم استحکام کی کیفیت کا باعث بنی۔ اس کے منفی اثرات یہودی ریاست کے مختلف شعبوں پر مرتب ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے وسیع پیمانے پر ان خیالات کو تقویت ملی کہ ان کی فوج نہ تو قیدیوں کو بازیاب کرا سکتی ہے اور نہ ہی غزہ کے احاطے اور شمالی بستیوں سے بے گھر ہونے والوں کو واپس لا سکتی ہے۔ اس عدم تحفظ اور ریاست اور اس کی فوج پر اعتماد کی کمی کی وجہ سے دس لاکھ یا اس سے زیادہ افراد کو یہودی وجود کو چھوڑ کر دوسرے ممالک کی طرف جانا پڑ رہا ہے، جن میں سے بہت سے مغربی ممالک سے پاسپورٹ کے خواہاں ہیں، صرف جرمنی کو ویزہ کے لیے 5،000 درخواستیں موصول ہوئی ہیں۔ مزید برآں، یہودی وجود کے اندر داخلی تنازعات اور تقسیم مزید شدت اختیار کر گئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی ذکر کیا ہے، ﴿وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِۚ كُلَّمَآ أَوْقَدُوا۟ نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا ٱللَّهُۚ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًاۚ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلْمُفْسِدِينَ﴾ **"اور ہم نے ان میں آپس میں قیامت تک کے لئے عداوت اور بغض ڈال دیا ہے، وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے۔ یہ ملک بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا"** [المائدۃ: 5:64]۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مزید فرماتے ہیں، ﴿لَا يُقَـٰتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِى قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَآءِ جُدُرٍۭۚ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ﴾ **"یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں ہوں، ان کی لڑائی تو ان میں**

آپس میں ہی بہت سخت ہے، گو آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے دل دراصل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں"۔(الحشر:14)

3- یہود کے درمیان اس حقیقت کے بارے میں یہ یقین گہرا ہو گیا ہے کہ یہودی وجود اکیلے اپنا دفاع نہیں کر سکتا، اور اپنی طاقت عرب ایجنٹ ریاستوں میں موجود اپنے حلیفوں اور بین الاقوامی حامیوں (خاص طور پر مغرب، جس کا سرغنہ امریکہ ہے) سے حاصل کرتے ہیں۔اس یہودی وجود کی حیثیت اسلامی دنیا کے مرکز میں ایک مغربی اڈے جیسی ہے جو دراصل مغربی اہداف کے حصول کے لیے عملی کردار ادا کر رہا ہے۔انہی وجوہات نے یہودیوں کو دنیا بھر کے دیگر ممالک سے شہریت حاصل کرنے کی طرف راغب کیا ہے۔

4- یہودی ریاست کا یہ بیانیہ کہ وہ مشرق وسطیٰ میں واحد جمہوریت ہے جو دشمنوں سے گھری ہوئی ہے اور جس کے ذریعے وہ بین الاقوامی ہمدردیاں حاصل کرتی تھی، اس کی حقیقت بھی دنیا پر عیاں ہو گئی ہے۔یہ یہودی وجود اب دنیا میں تنہا ہو چکا ہے اور اسے ایک غیر قانونی ریاست کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جسے اپنے جرائم اور نسل کشی کی کارروائیوں کے لئے بین الاقوامی قانونی کارروائی کا سامنا ہے۔

طوفان الاقصیٰ آپریشن کے عالمی اثرات:

- **مغرب اور اس کے نام نہاد عالمی اداروں کا بے نقاب ہونا:** اس آپریشن نے مغربی اداروں کی حقیقی نوعیت، مغرب کے عالمی نظام اور اس کی اقدار، جن کی یہ مغربی تہذیب علمبردار تھی جیسا کہ انسانی حقوق، بچوں کے حقوق، عورتوں کے حقوق اور ان جیسے دوسرے قوانین اور ضوابط، ان کی قلعی بھی ساری دنیا کے سامنے کھول دی ہے۔ اب انہیں مغربی بالادستی اور استعماریت کے لیے محض نعروں اور ڈھونگ کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ مغربی بیانیہ پاش پاش ہو چکا، یہ اپنی اخلاقی، اصولی اور فکری حیثیت کھو چکا ہے اور اسے سخت سوالات اور تنقید کا سامنا ہے۔کچھ لوگوں نے اسے شک کی نگاہ سے بھی دیکھنا شروع کر دیا ہے کیونکہ مغربی ممالک کی جانب سے یہودی وجود کی ہر طرح کی مدد و حمایت جاری ہے، جس کے ذریعے ہی وہ اپنے جرائم اور نسل کشی کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

- **مغربی منافقت اور دہرا معیار:** یوکرین اور غزہ کے بارے میں مغرب کے متضاد نقطہ نظر میں مغرب کی منافقت اور دہرے معیار کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ غزہ کو تباہ ہونے کے لئے چھوڑ دیا گیا، مغربی ممالک نے یہودی وجود کا بھرپور دفاع کیا اور نسل کشی اور مظالم کی کارروائیوں کے باوجود اسے ہتھیار فراہم کیے۔ اس کی وجہ سے مغربی معاشروں اور عالمی رائے عامہ اور بالخصوص مغربی نوجوان نسل کی رائے میں تبدیلی آئی ہے۔ اس تبدیلی کا مشاہدہ سوشل میڈیا، امریکی اور مغربی یونیورسٹیوں اور عالمی سطح پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ نوجوانوں نے فلسطینی کاز اور یہودی ریاست کے بارے میں اپنے خیالات کو تبدیل کر لیا ہے اور وہ یہودی وجود کو ایک قابض، نسل پرست ریاست کے طور پر دیکھتے ہیں جو غزہ کے لوگوں کی نسل کشی کی ذمہ دار ہے۔ وہ فلسطینیوں کو اصل باشندے، زمین کے حقیقی مالک اور جارحیت کا شکار سمجھتے ہیں۔ اس تبدیلی کی وجہ سے مغربی میڈیا پر اعتماد ختم ہو گیا ہے، جس نے اس ناجائز یہودی وجود کے بیانیے کو اپنایا ہے، اور ان عہدیداروں پر بھی جو اِس وجود کی نسل کشی کی جنگ کی حمایت کر رہے ہیں۔ یہ ایک تاریخی موڑ ہے جس پر اِن طلباء اور مسلمانوں نے گہری چھاپ چھوڑ دی ہے۔ اس تبدیلی نے مستقبل کی جہت کا تعین کر دیا ہے جس کی بنیاد پر ان شاء اللہ جلد قائم ہونے والی اسلامی ریاست میں کام کیا جا سکتا ہے۔

امت کے اندر خاص طور پر نوجوانوں میں تغیرات اور تبدیلیاں:

- **حکمرانوں کا زوال اور ان کے خلاف بڑھتا ہوا غم و غصہ:** مسلم حکمران اپنی ساکھ کھو چکے ہیں اور امت اب ان کے جھوٹ کا شکار نہیں ہوتی، نہ ان کے فریب کا جو عوام کے درمیان اسلام کا جھنڈا بلند کرتے ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کے فریب کا لیے جو طویل عرصے سے خود کو "مزاحمت" کے ستون کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ تو پہلی جنگ سے ہی ناکام رہے۔ امریکہ کے سابق امن مندوب ڈینس راس نے 17 اکتوبر 2023 کو نیویارک ٹائمز میں لکھا تھا کہ "صرف 'اسرائیل' ہی اکیلا نہیں جو یہ سمجھتا ہے کہ حماس کو مکمل شکست دینا ضروری ہے۔ گزشتہ دو ہفتوں کے دوران میں نے خطے بھر کے عرب حکام سے بات کی جنہیں میں طویل عرصے سے جانتا ہوں اور بغیر کسی

استثناء کے ان میں سے ہر ایک نے مجھے بتایا کہ غزہ میں حماس کو تباہ کرنا ناگزیر ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اگر حماس فتح یاب ہوتی ہے تو وہ ان حکمرانوں کو مسترد کرنے کے نظریے کو فروغ دے گی، ایران اور اس کے اتحادیوں کی حمایت کرے گی اور علاقائی حکومتوں کو دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور کر دے گی" (القدس العربی، 30 اکتوبر، 2023ء)۔

عرب رہنماؤں کا یہ شرمناک موقف عرب سربراہی اجلاسوں اور اسلامی ممالک کی باہمی ملاقاتوں میں واضح ہو گیا جہاں عالم اسلام کے یہ حکمران امت کے دشمنوں کے شانہ بشانہ متحد نظر آئے۔ صلیبی یہودی جنگ کے ساتھ ان کی سہولت کاری سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا، ان اجلاسوں میں ایسے سیاسی اقدامات پیش کیے گئے تھے جن کا مقصد یہودی وجود کو وہ کچھ دینا تھا جو وہ جنگ میں بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ مزید برآں، انہوں نے نئے نارملائزیشن معاہدوں اور یہودی وجود کے ساتھ بڑے پیمانے پر اقتصادی شراکت داری، اس کی حفاظت کو یقینی بنانے اور اسے خطے میں ضم کرنے میں فعال طور پر حصہ لینے کے لئے آمادگی کا اظہار کیا۔ جو اس یہودی وجود کے جرائم پر اسے نوازنے کے مترادف ہے۔

- **"باہمی ہم عصری امن" کے نظریے کو مسترد کئے جانے کی تقویت:** طوفان الاقصیٰ نے عوام میں اُن نظریات اور تصورات کو مسترد کرنے کو مزید تقویت دی ہے جو طویل عرصے سے قابض وجود کے ساتھ بقائے باہمی کو محفوظ بنانے کے لیے فروغ پا رہے ہیں، جن میں نام نہاد "امن کی ثقافت" اور "پرامن باہمی ہم عصری" بھی شامل ہے۔ جن کا مقصد "مذہبِ ابراہیمی" کے تصور، یا مغربی سیکولرزم میں پیدا ہونے والی دیگر اقدار کے ذریعے خطے کی عوام کو یہودی وجود کے قریب لانے کے لیے جواز مہیا کرنا ہے۔ یہ وہ نظریات ہیں جنہیں بین الاقوامی اداروں اور مغرب سے وابستہ مقامی اداروں کی طرف سے فروغ دیا جا رہا ہے۔ جبکہ عوام ان کا پرچار کرنے والوں کو غدار کے طور پر دیکھ رہی ہے اور ان سے دوری اختیار کر رہی ہے۔

- **اعتماد کی بحالی اور شکست خوردہ ذہنیت کا خاتمہ:** طوفان الاقصیٰ اور غزہ کی جنگ نے کفار و منافقین کی طرف سے مسلم امت میں پھیلائی جانے والی شکست خوردہ ذہنیت، ناامیدی اور مایوسی کی کیفیت کو ختم کر دیا ہے۔ یہ ایک ایسا احساس ہے جس نے اس سے پہلے امت کے کئی نسلوں کو متاثر کئے رکھا تھا۔ چند دلیر جنگجو مجاہدین کے ایک گروپ کے خلاف ایک فوجی طاقت کے ناکام ہو جانے نے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہودی ریاست کے 'ناقابل شکست قوت و صلاحیت' کے بُت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ مؤمنین میں یہ اعتماد پیدا ہوا ہے کہ یہودی ریاست تو ایک حقیقی جنگ میں اسلامی افواج کے خلاف ٹھہر ہی نہیں سکتی۔ کوئی بھی ہتھیار اُن کے کام نہیں آئے گا جب اُنہیں اس جلد آنے والے "تباہ کن معرکے" کا سامنا کرنا پڑے گا جو مقدس سرزمین کی حریت کے لیے لڑنے والی افواج سے ہو گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے، ﴿**لَن يَضُرُّوكُمْ إِلَّآ أَذًىۖ وَإِن يُقَـٰتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ ٱلْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ**﴾ "**یہ تمہیں معمولی نقصان پہنچانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے، اگر لڑائی کا موقعہ آجائے تو پیٹھ موڑلیں گے، پھر مدد نہ کیے جائیں گے**"(آل عمران؛3:111)۔

اس ذلت آمیز شکست نے گزشتہ دہائیوں میں عراق، افغانستان اور دیگر ممالک میں مسلمانوں کی فتوحات کی یادیں تازہ کر دی ہیں۔ اس نے امت کا خود پر اعتماد مضبوط کیا ہے اور باطل کی طاقتوں سمیت اپنے دشمنوں، جیسے امریکہ، مغرب اور دیگر کافر ریاستوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کو تقویت دی ہے چاہے وہ کیسے بھی ہتھیار رکھتے ہوں۔ امت کو یقین ہے کہ اللہ کی ہدایت اور مدد سے وہ مشرق سے مغرب تک کے علاقوں کو دوبارہ فتح کرے گی۔

- **غزہ کی جنگ نے امت کی حقیقی روح ظاہر کر دی ہے۔** غزہ کے واقعات نے لوگوں کے دل کی گہرائیوں میں چھپے مضبوط ایمان کو اجاگر کر دیا ہے، الولاء والبراء کا قضیہ ہو، جہاد اور شہادت سے محبت ہو، صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر توکل، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اجر و ثواب کا حصول، القضا و القدر کا مسئلہ ہو، ثابت قدمی ہو یا استقامت، ان سب نے امت کے پختہ ایمان کو ظاہر کر دیا ہے۔ یہ اقدار امت کے اندر اتنی ہی

گہری ہیں جتنے زمین میں پہاڑ مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ خالص ایمان اور یقین کی مٹھاس اس انداز میں نمودار ہوئی ہے جس نے مبصرین کو مسحور کر دیا ہے اور اس نے ایک ایسی امت کی تصویر پیش کی جو درد اور آزمائشوں کے باوجود ثابت قدمی دکھاتی ہے۔ ایسا نظارہ جس کا ذکر انسان نے افسانوں میں ہی سنا تھا، اس نے اہل مغرب میں سے بعض کو بھی اس غیر متزلزل عقیدے کے ماخذ کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم کا مطالعہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

5-امت میں مستقل موجود جذبۂ جہاد:

- امت کے اندر جہاد کے شعلوں کو بجھانے کی بے شمار کوششوں کے باوجود جہاد کا جذبہ زندہ ہے اور ختم نہیں ہو گا، یہاں تک کہ اس شدید ترین جنگ کے بعد بھی کہ جس کا مقصد ہی مجاہدین کو ختم کر دینا اور امت کے اندر اس جذبے کو ختم کر دینا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صحیح پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا: **«لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»** "**یہ دین تب تک قائم رہے گا جب تک اس کے لیے مسلمانوں کی ایک جماعت لڑتی رہے یہاں تک کہ وہ گھڑی نہ قائم ہو جائے**"(اسے مسلم نے روایت کیا ہے)۔ اور عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناوأهم حتى يقاتل ﷺوختامًا،»** "**میری امت کا ایک گروہ حق کے لیے لڑتا رہے گا اور مخالفت کرنے والوں پر غالب رہے گا، یہاں تک کہ ان میں سے آخری شخص بھی لڑتا رہے گا...**"۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان مثبت تغیرات اور تبدیلیوں کے نتیجہ کے طور پر امت کو اس مایوسی اور ذلت کے دور کا خاتمہ کرنا چاہیے، جس کا وہ عرصہ سے مشاہدہ کرتی آئی ہے۔ امت کو چاہیے کہ وہ دین کی سربلندی، زمین پر اللہ کے حکم کے نفاذ، سرزمین مبارک اور اس کے مظلوم لوگوں کی حمایت کرنے، ان کا بدلہ لینے اور مسجد الاقصیٰ کو آزاد کرانے کے اپنے فرض کو پورا کرنے کے لیے اپنی تمام طاقتوں، خاص طور پر افواج کو متحرک کریں۔

یہودی ریاست کے ظلم اور اس کی نسل کشی کی کارروائیوں نے اسے عالمی سطح پر الگ تھلگ اور کمزور کر دیا ہے، جبکہ دوسری طرف امت آزادی کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کو تیار ہے۔ یہودی ریاست نے جو فتنہ برپا کیا وہ اس بات کا پیش خیمہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان پر اپنے ایسے بندے بھیجے، جو ان پر اللہ کا سخت عذاب بن کر آئیں اور ان کو صفحۂ ہستی سے ہی مٹا ڈالیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے، ﴿إِنۡ أَحۡسَنتُمۡ أَحۡسَنتُمۡ لِأَنفُسِكُمۡۖ وَإِنۡ أَسَأۡتُمۡ فَلَهَاۚ فَإِذَا جَآءَ وَعۡدُ ٱلۡأٓخِرَةِ لِيَسُـٔۥاْ وُجُوهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُواْ ٱلۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٖ وَلِيُتَبِّرُواْ مَا عَلَوۡاْ تَتۡبِيرًا﴾ **"اگر تم نے اچھے کام کئے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لئے، اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لئے، پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا کہ وہ (دشمن) تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور وہ (مسجد اقصیٰ) میں گھس جائیں جیسے وہ پہلی بار اس میں گھسے تھے۔ اور جس جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں"** (الاسراء؛17:7)۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿وَإِنۡ عُدتُّمۡ عُدۡنَاۚ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكَٰفِرِينَ حَصِيرًا﴾ **"اور ہاں اگر تم پھر بھی وہی کرنے لگے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں گے اور ہم نے منکروں کا قید خانہ جہنم کو بنا رکھا ہے"** (الاسراء؛8:17)۔

لہٰذا امت مسلمہ اور خاص طور پر نوجوانوں کو تبدیلی کے لیے متحرک ہونا چاہیے اور جو چیز بھی ان کے اور اللہ کے حکم کے درمیان حائل ہو اسے ہٹا دیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور ان کی مدد کرے گا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَنصُرُواْ ٱللَّهَ يَنصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ أَقۡدَامَكُمۡ﴾ **"اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا"**۔ (محمد؛7:47)

فہرست

عالمی قانون کا انہدام... اور ان دنیا والوں کی ناامیدی جو اس قانون پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ "قواعد کی بنیاد پر مبنی عالمی آرڈر"، ایک شاطرانہ امریکی تصور

ڈاکٹر أحمد حسونة

جنوری 2021ء میں جب سے صدر جو بائیڈن نے صدرِ اقتدار سنبھالا ہے، اور جب بھی وہ ان ممالک سے خطاب کرتے ہیں جیسا کہ چین، روس اور دیگر وہ ممالک جنہیں امریکہ نے "دہشت گردی کی معاونت کرنے والی ریاستیں" قرار دے رکھا ہے، تب سے ہی بائیڈن بارہا اس اصطلاح، **"قواعد پر مبنی عالمی آرڈر"** کے اطلاق کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ان ریاستوں پر اس عالمی آرڈر کو نقصان پہنچانے کا الزام عائد کرتے ہیں اور اس عالمی آرڈر کے تحفظ کی خاطر، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے ایک متحد اقدام کی بات کرتے ہیں۔ امریکہ کے وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری، انتونی بلنکن، بھی اسی مؤقف کا راگ الاپتے نظر آتے ہیں، اور زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آمرانہ حکومتیں اس قواعد پر مبنی ورلڈ آرڈر کی خصوصاً ان فورمز میں بیخ کنی کرتی ہیں جہاں عالمی چیلنجوں پر مباحثہ جات ہو رہے ہوں۔

تاہم، یہ **"قواعد پر مبنی عالمی آرڈر"** آخر ہے کیا؟ یہ اصطلاح عالمی اداروں کے بنیادی منشوروں یا ان معاہدوں میں کہیں نہیں ملتی، جو دوسری جنگ عظیم کے بعد وجود میں آئے تھے۔ بلنکن کا یہ دعویٰ کہ **اس نظام نے گزشتہ 75 سالوں میں استحکام اور عالمی ترقی فراہم کی**، تو اس دعویٰ کا تعلق اس عالمی آرڈر کو اس عالمی لبرل نظام (LIO) سے منسلک کرنے کی کوشش ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی قیادت میں قائم ہوا تھا۔ یہ عالمی لبرل نظام (LIO) سیاسی اور اقتصادی آزادیت، کثیر الجہتی تعلقات، اور دیگر اداروں جیسے اقوام متحدہ، عالمی بینک، آئی ایم ایف، اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کی اساس پر مبنی ہے۔ یہ نظام ان اصولوں کی بنیاد پر چلتا ہے جیسے جمہوریت، مساوات، آزادی، قانون کی حکمرانی، انسانی حقوق، اور عالمی تعاون وغیرہ۔

تاہم، قانونی ماہرین جیسے **جان ڈوگارڈ (John Dugard)، جو 2006 سے یونیورسٹی آف پریٹوریا کے مرکز برائے انسانی حقوق میں قانون کے پروفیسر ہیں**، کا کہنا ہے کہ **"قواعد پر مبنی نظام" عالمی قانون سے مختلف ہے**۔ ڈوگارڈ کا کہنا ہے کہ "قواعد پر مبنی نظام" ایک متبادل نظام ہے جو عالمی قانون کو کمزور کرتا ہے۔ اسی طرح، ہارورڈ یونیورسٹی میں بین الاقوامی تعلقات

کے پروفیسر، اسٹیفن ایم والٹ(Stephen M. Walt) کے الفاظ میں، امریکہ ہمیشہ تیار رہتا ہے، یعنی "یہ امریکہ کی اپنی خواہش سے چشم پوشی کر دیتا ہے کہ جب بھی یہ قواعد غیر مناسب لگیں تو وہ ان قواعد کو نظر انداز کر دے، ان سے بچ کر نکل جائے، یا ان قواعد کو دوبارہ لکھ لے"۔ **الیگزینڈر گوسیف**(Alexander Gusev) کا کہنا ہے کہ امریکہ دانستہ طور پر "قواعد پر مبنی عالمی نظام" کی تعریف کو مبہم رکھتا ہے تا کہ جب ضرورت ہو تو اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکے۔ جان ڈوگارڈ مزید یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امریکہ کی جانب سے تشہیر کردہ اس مبہم اور امتیازی قواعد پر مبنی نظام کی بجائے **اقوام متحدہ کے منشور** اور **عالمی قانون** کے ذریعے قائم کردہ نظام، امن کی جانب ایک بہتر راستہ ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے عالمی طور پر یہ تسلیم کیا گیا تھا کہ واحد جائز عالمی نظام وہ ہے جس کی بنیاد عالمی قانون پر قائم ہو، جیسا کہ اقوام متحدہ کے منشور کے ضوابط اور مقاصد میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

"قواعد پر مبنی نظام" کی اصطلاح صرف 1980ء کی دہائی کے آخر میں عبارات میں نظر آنے لگی، اور 2000ء کی دہائی کے اوائل میں، خاص طور پر 2003ء میں عراق پر امریکی حملے کے رد عمل میں یہ اصطلاح مزید نمایاں ہونے لگی، جو کہ اقوام متحدہ کی اجازت کے بغیر کیا گیا تھا۔ عراق پر حملہ کو ایک کلاسک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ آخر امریکہ نے ایسی اصطلاح کیونکر وضع کی، جس کا مقصد عالمی برادری کو الجھن میں ڈالنا اور عالمی قانون کی پابندیوں سے بچنا ہے۔ امریکہ کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے داخلی قوانین کو عالمی قانون پر فوقیت دیتا ہے اور عالمی قواعد کو اپنے مفادات کے مطابق منتخب طور پر لاگو کرتا رہتا ہے۔

اخبارات نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ اس جنگ نے جو امریکی حمایت کے ساتھ، اسرائیل غزہ پر برپا کئے ہوئے ہے، **عالمی قانون** اور "قواعد پر مبنی نظام" کے درمیان فرق کو واضح کر دیا ہے۔ **صدر بائیڈن** کی جانب سے اسرائیل کو دی جانے والی رضامندی اس نظام کی قانونی حیثیت پر سوالات اٹھاتی ہے، جو کہ امریکی اجارہ داری کے ساتھ عالمی قانون کے متبادل کے طور پر لاگو ہوتا نظر آتا ہے۔ اگرچہ قواعد پر مبنی یہ نظام عالمی قانون کی طرح معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ امریکی بالادستی کا ایک آلہ ہے، خاص طور پر جب یہ **روس** کو ان کارروائیوں کی سزا دیتا ہے جن کا ارتکاب اسرائیل کی طرف سے کیا گیا تھا اور جنہیں امریکہ کی جانب سے مادی مدد حاصل تھی۔

امریکہ اور اس کے اتحادی **"قواعد پر مبنی نظام"** کو جہاں ضروری سمجھتے ہیں، عالمی قانون کے مترادف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ عالمی قانون کی حمایت اس وقت کرتے ہیں جب یہ ان کے مفادات کو پورا کرتا ہو، جیسا کہ عالمی فوجداری عدالت (انٹرنیشنل کریمنل کورٹ) کا **ولادیمیر پوٹن** کے خلاف یوکرین میں جنگی جرائم کے الزام میں کارروائی کرنا۔ تاہم، امریکہ کبھی بھی اپنے آپ کو اس آئی سی سی (انٹرنیشنل کریمنل کورٹ) کے کٹہرے میں کھڑا نہیں ہونے دیتا۔ **جارج ڈبلیو بش** کے دور میں، امریکہ نے آئی سی سی کے قیام کے معاہدے پر اپنے دستخط واپس لے لئے تھے، اور **ڈونلڈ ٹرمپ** کے دور میں، امریکہ نے افغانستان میں امریکی جنگی جرائم کی تحقیقات کرنے والے آئی سی سی (انٹرنیشنل کریمنل کورٹ) کے پراسیکیوٹروں پر پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ لہٰذا، **"قواعد پر مبنی نظام"** عالمی قانون کی جگہ تو نہیں لیتا لیکن اس کے ساتھ وضاحتی نکات فراہم کرتا ہے، ایسے قواعد جو امریکی مخالفین پر تو لاگو ہوتے ہوں لیکن امریکہ اور اس کے ایجنٹ با آسانی انہیں پس پشت ڈال سکتے ہیں۔

حال ہی میں، آئی سی سی کے پراسیکیوٹر نے جنگی جرائم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے الزامات میں **بینجمن نیتن یاہو** اور **یوو گیلنٹ** Yoav Gallant کے وارنٹ گرفتاری جاری کرنا چاہے۔ **لندن کی SOAS یونیورسٹی** میں عالمی انسانی حقوق کے قانون کے ماہر پروفیسر لوٹز اویٹے Professor Lutz Oette نے 23 مئی 2024 کو **گارڈین** اخبار کو بتایا، "یہ وقت ہے کہ ان استعماری اور سامراجی ذہنیتوں کو دفن کر دیا جائے۔ آئی سی سی کے پری ٹرائل چیمبر کی جانب سے گرفتاری کے وارنٹ کا اجراء اس سمت میں ایک اہم قدم ہو گا"۔ تاہم، امریکہ کا ردعمل اپنی سامراجی عادت کی طرف لوٹ کر آ گیا: جب اگرچہ اس نے مارچ 2023 میں پیوٹن کے خلاف آئی سی سی کے وارنٹ کا خیر مقدم کیا تھا، لیکن امریکہ نے آئی سی سی کے اس اقدام کو "اشتعال انگیز" قرار دیتے ہوئے اس کی شدید مذمت کی۔ اویٹے Oette نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امریکہ کا ردعمل اس کے تسلط کو قائم رکھنے کے لیے تشدد کے استعمال کی ایک طویل تاریخ کی عکاسی کرتا ہے، اور اس نے استعماری اور سامراجی ذہنیتوں کے خاتمے کی ضرورت پر زور دیا۔

اب جبکہ دنیا "اسرائیل" کو امریکی اسلحہ اور سفارتی حمایت کے ساتھ غزہ کو تباہ و برباد کرتے ہوئے دیکھ رہی ہے، تو بائیڈن اور نیتن یاہو "قواعد پر مبنی عالمی نظام" کی حقیقی اصلیت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ اس قانون کے تحت آزادیوں کی دنیا نہیں بلکہ ایک اجتماعی قبرستان ہے۔

آخر "قواعد پر مبنی عالمی نظام" کا تصور کیسے ابھرا؟

"قواعد پر مبنی عالمی نظام" کا تصور سوویت یونین کے سقوط کے بعد پیدا ہوا تھا، جب امریکہ کو یقین تھا کہ ایک یک قطبی دنیا لامتناہی مدت تک برقرار رہ پائے گی، جس کی وجہ سے وہ دوسرے ممالک کے مفادات اور رائے کو نظر انداز کر سکتا تھا۔ 2006 میں، پرنسٹن پروجیکٹ آن نیشنل سیکیورٹی نے اپنی رپورٹ "قانون کے تحت آزادی کی دنیا کی تشکیل: 21 ویں صدی میں امریکی قومی سلامتی" جاری کی، جو عالمی قانون کی متوقع کمزوریوں کے جواب میں تیار کی گئی تھی۔

یہ تصور عملی طور پر عالمی قانون کو نظر انداز کرنے کے ایک طریقے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا، جیسا کہ 2011 کے لیبیا کے بحران کے دوران دیکھا گیا، جہاں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے امریکی سلامتی کونسل کے ایک مینڈیٹ کا استعمال کرتے ہوئے ایک فضائی حدود کی پابندی عائد کی، جو معمر قذافی کی حکومت کا تختہ الٹنے کا باعث بنی۔ ایک اور مثال کسی بھی عالمی قانون کے جواز کے بغیر مشرقی شام میں آٹھ سال سے زیادہ عرصے تک جاری رہنے والی امریکی فوجی موجودگی ہے۔

"قواعد پر مبنی عالمی نظام" امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے ایک ایسا آلہ بن گیا ہے جس کے ذریعے وہ بنیادی طور پر عالمی قانون کی بیخ کنی کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں سے دامن چھڑا لیتے ہیں۔ امریکی پالیسی ساز اس نظریے کا استعمال کرتے ہیں تاکہ امریکی عالمی بالادستی کے فوائد کو برقرار رکھا جا سکے۔ جب عالمی قانون کی طاقتیں اور قواعد امریکی مفادات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں تو واشنگٹن انہیں ٹھیک سمجھتا ہے۔ جب روس نے فروری 2022ء میں یوکرین پر حملہ کیا تو سیکرٹری بلنکن نے خبردار کیا کہ "ہمیں قاعدے پر مبنی عالمی نظام کا دفاع اور اصلاح کرنا چاہیے... تاکہ تنازعہ سے بچا جا سکے، اور تمام لوگوں کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے"۔ البتہ، جہاں پر امریکی اقدامات کا عالمی قانون سے انحراف کرنا ہو تو "قواعد پر مبنی نظام" کام میں آتا ہے۔

غزہ پر ہونے والی جنگ سے ہی اس "قواعد پر مبنی نظام" کی صحیح معنی میں وضاحت ہو جاتی ہے۔ 25 مارچ 2024ء کو اقوامِ متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے 14 اراکین نے ایک قرارداد پر رضامندی ظاہر کی جس میں غزہ میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کیا گیا تھا، لیکن امریکہ نے اس قرارداد میں شرکت سے گریز کیا۔ یہ قرارداد ایک قانونی قابلِ اطلاق دستاویز کی شکل اختیار کر گئی۔ پھر اس قرارداد پر ووٹ ہونے کے کچھ ہی دیر بعد بائیڈن انتظامیہ کے ترجمان نے عالمی قانون کے تحت اس کی حیثیت کا انکار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے قرارداد 2728 کو "ناقابلِ پابند" قرار دے دیا۔

نیویارک ٹائمز نے 10 اپریل 2024 کو ذکر کیا کہ قرارداد 2728، جو بغیر کسی نتیجے کے منظور کی گئی، تو "قواعد پر مبنی عالمی نظام" کے زوال میں ایک اہم لمحہ کے طور پر یاد کی جا سکتی ہے۔ غزہ میں جاری تنازعہ اس بات کی واضح یاد دہانی ہے کہ ایک ایسی دنیا میں جہاں عالمی قانون پسند کی بنیاد پر لاگو ہوتا ہو تو وہاں پر یہ کمزور فریقین ہی ہوتے ہیں جو سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

امریکی "قواعد پر مبنی نظام": عالمی تسلط کا ایک آلہ

شاید جنوبی افریقہ کے عالمی قانون اور انسانی حقوق کے ماہر **جان ڈوگارڈ** کی طرف سے پیش کردہ تحقیقی مقالہ، جو **کیمبرج یونیورسٹی** کے ذریعہ شائع کیا گیا، انہی تفصیلات پر روشنی ڈالتا ہے جنہیں عالمی قانون اور "قواعد پر مبنی عالمی نظام" کہا جاتا ہے:

"2 جون 2022ء کو صدر بائیڈن نے نیویارک ٹائمز میں ایک مقالہ شائع کیا جس کا عنوان تھا 'امریکہ یوکرین کی کس طرح مدد کرنے کے لیے تیار ہے'۔ اس مقالہ میں انہوں نے اعلان کیا کہ روس کا یوکرین میں اقدام 'قواعد پر مبنی عالمی نظام کے خاتمے کی علامت بن سکتا ہے اور کہیں بھی جارحیت کا دروازہ کھول سکتا ہے، جس کے مہلک نتائج دنیا بھر میں ہوں گے'۔ اس مقالہ میں عالمی قانون کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا"۔

"بعد ازاں، جون 2022ء میں میڈرڈ میں نیٹو سربراہی اجلاس کے اختتام پر ہونے والی ایک پریس کانفرنس میں، انہوں نے روس اور چین دونوں کو خبردار کیا کہ دنیا کی جمہوریتیں 'قاعدے پر مبنی نظام (RBO)' کا دفاع کریں گی۔ اور دوبارہ، عالمی قانون کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا"۔

"12 اکتوبر 2022ء کو امریکی صدر نے ایک قومی سلامتی کی حکمت عملی شائع کی جس میں "قواعد پر مبنی نظام RBO" کا بار بار ذکر کیا گیا ہے کہ یہ 'عالمی امن اور خوشحالی کی بنیاد' ہے، جبکہ عالمی قانون کا صرف سا مختصر ذکر کیا گیا ہے"۔

جان ڈوگارڈ نے سوال اٹھایا: "آخر یہ 'قواعد پر مبنی عالمی نظام' کیا ہے، جس کا ذکر عالمی قانون کی بجائے امریکی سیاسی رہنماؤں کی جانب سے سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سے بڑھتا چلا جا رہا ہے؟ کیا یہ عالمی قانون کا ایک بے معصوم سا مترادف ہے، جیسا کہ یورپی رہنما تجویز کرتے ہیں؟ یا یہ کچھ اور ہے، یعنی ایک ایسا نظام جو عالمی قانون کی جگہ لینے کے لیے بنایا گیا ہے، وہ قانون جو 500 سال سے زیادہ عرصے سے ریاستوں کے طرز عمل کو منظم کر رہا ہے؟"۔

کیمبرج یونیورسٹی کے ذریعہ شائع کردہ اپنے مضمون میں، ڈوگارڈ نے امریکہ کی جانب سے "قواعد پر مبنی عالمی نظام" کو "عالمی قانون" پر ترجیح دینے کی کئی وجوہات بیان کیں:

"**اول:** امریکہ متعدد اہم کثیر الجہتی معاہدوں کا فریق نہیں ہے جو کہ عالمی قانون کی ایک لازمی خصوصیت کو تشکیل دیتے ہیں۔ امریکہ بحری قانون کے کنونشن کا فریق نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے جنوبی چینی سمندر میں عالمی قانون کی بجائے 'قواعد پر مبنی عالمی نظام' کے لئے خطرہ بننے پر چین کی سرزنش کرنا ضروری ہوتی ہے۔ امریکہ عالمی انسانی حقوق کے قانون کو منظم کرنے والے کئی بنیادی معاہدوں کا فریق بھی نہیں ہے، جن میں 1977 کے جنیوا کنونشنز پر جنگ کے قوانین کے پروٹوکول، بین الاقوامی فوجداری عدالت کا روم کا معاہدہ، کلسٹر میونیشن Cluster Munitions کنونشن، اور ذاتی دھماکہ خیز مواد پر پابندی کا کنونشن Anti-Personnel Mine Ban Convention شامل ہیں۔ نہ ہی امریکہ بچوں کے حقوق کے کنونشن یا معذوری کے شکار افراد کے حقوق کے کنونشن کا فریق ہے۔ چنانچہ بلاشبہ طور پر، اس سے امریکہ کے لیے عالمی انسانی حقوق اور انسانی حقوق کے قانون کی خلاف ورزیوں کے لیے ریاستوں کو جوابدہ ٹھہرانا اس حد تک مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ امریکہ خود ان قواعد کو عمومی عالمی قانون کا حصہ نہیں سمجھتا"۔

"**دوم:** امریکہ نے عالمی قانون پر ایسی تشریحات عائد کی ہیں جو طاقت کے استعمال اور عالمی انسانی قانون کی خلاف ورزی کی توجیہ کرتی ہیں، جو کہ متنازعہ اور قابلِ چیلنج ہیں۔ امریکہ کی طرف سے ذاتی دفاع کے حق کی تشریح، جس کے تحت پیشگی حملوں اور دہشت گرد قرار دیئے جانے والے باغیوں / عسکریت پسندوں کے خلاف طاقت کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، وسیع پیمانے پر متنازعہ ہے۔ اسی طرح 1999ء میں بلغراد شہر پر نیٹو کی سرپرستی میں ہونے والی بمباری کو انسانی مداخلت کی ایک قسم کے طور پر طاقت کے استعمال کی توجیہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے، یہ معاملہ بھی متنازعہ ہے۔ 2003ء میں عراق اور 2011ء میں لیبیا میں طاقت کے استعمال کی اجازت دینے کے لیے امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے سکیورٹی کونسل کی قراردادوں کی تشریحات کو حکومت تبدیل کرنے کے غیر قانونی جواز کے طور پر شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ 2002 میں افغانستان میں امریکی حملے کے بعد گوانتاناموبے میں قید طالبان فوجیوں کو جنگی قیدی کی حیثیت دینے سے انکار پر بھی سوالات اٹھائے گئے ہیں، کیونکہ یہ جنگی قیدیوں کے سلوک کے بارے میں کنونشن کے آرٹیکل 4 کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اسی طرح افغانستان، عراق، اور یمن میں ڈرونز کا استعمال کرنے کو بھی، جسے امریکہ نے قابل اجازت ذاتی دفاع کے طور پر جائز قرار دے دیا ہے، عالمی انسانی قانون اور انسانی حقوق کے قانون کی خلاف ورزی کے طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے"۔

"سوم: امریکہ چند ریاستوں، جیسا کہ ' اسرائیل'، کو عالمی قانون کی خلاف ورزیوں پر جوابدہ ٹھہرائے جانے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے۔ انہیں اپنی نوعیت کے ایسے بے مثل معاملات کے طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جہاں قومی مفاد جوابدہ ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ 'اسرائیل' کے حوالے سے یہ استثنائی حیثیت امریکہ کی طرف سے جولائی 2022 میں صدر بائیڈن کے اسرائیل کے دورے کے موقع پر 'اسرائیل' کے ساتھ مشترکہ اعلامیے میں واضح کی گئی، جس میں ان تمام معاملات کی توثیق کی گئی کہ 'ہمارے دونوں ممالک کے درمیان اٹوٹ تعلق اور امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی سیکیورٹی کے لیے مستقل عزم' کی تصدیق کی گئی، اور دونوں ریاستوں کی طرف سے یہ عزم کہ 'اسرائیل کا بائیکاٹ کرنے یا اس کی حیثیت کو غیر قانونی قرار دینے یا اسرائیل کے ذاتی دفاع کے حق کا انکار کرنے یا اسرائیل کو کسی بھی فورم، بشمول اقوام متحدہ یا عالمی فوجداری عدالت میں تنہا کر دینے کی تمام کوششوں کا مقابلہ کرنا'، کا ذکر شامل ہے۔ یہی عزم امریکہ کی طرف سے اس مسلسل انکار کی صاف طور پر وضاحت کرتا ہے کہ وہ اسرائیل کو انسانی قانون کی بار بار خلاف ورزیوں پر جوابدہ ٹھہرائے، عالمی فوجداری عدالت کے سامنے عالمی جرائم کے مرتکب افراد کے خلاف مقدمے کی حمایت کرے، اور اسرائیل کی جانب سے غزہ پر حملوں کی مذمت کرے"۔

"چہارم: "قواعد پر مبنی نظام-RBO" کو مغرب نے روس اور حال ہی میں چین پر فیصلہ کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس امر نے روس اور مغرب کے مابین ایک ایسی قانونی بحث کی صورت اختیار کر لی ہے جس میں روس مغرب کی مذمت کرتا ہے کہ مغرب اپنے 'قواعد پر مبنی نظام' پر زور دینے کی وجہ سے عالمی قانون کا احترام نہیں کر رہا، جبکہ امریکہ قواعد پر مبنی نظام RBO ' کے تناظر میں اپنے جائزے میں روس کے ناروا رویے پر مُصر ہے... چین نے بھی قواعد پر مبنی نظام کے خلاف اپنی مخالفت کا اظہار کیا ہے۔ مئی 2021ء میں ملٹی لیٹرلزم پر سیکیورٹی کونسل کے ورچوئل مباحثے کے دوران، وزیر خارجہ وانگ یی نے اعلان کیا کہ: عالمی قواعد کو عالمی قانون پر مبنی ہونا چاہئے اور یہ قواعد سب کی طرف سے تحریر کئے جانے چاہئیں۔ یہ قوانین فقط چند لوگوں کی ملکیت یا حق نہیں ہیں۔ ان قوانین کو تمام ممالک پر لاگو ہونا چاہیے اور استثنائی حیثیت یا دوہرے معیار کے لیے کوئی جگہ نہیں ہونی چاہیے"۔

"پنجم: "قواعد پر مبنی نظام-RBO" عالمی قانون سے مختلف کوئی اور شے ہے۔ یہ عالمی قانون کے قواعد وضوابط سے باہر ایک متبادل نظام ہے جو بلاشبہ طور پر عالمی قانون کو چیلنج اور خطرے میں ڈال دیتا ہے... عالمی قانون کے برعکس، قواعد پر

مبنی نظام ایک عالمگیر نظام نہیں لگتا۔ اس کے بجائے، یہ ایک ایسا نظام لگتا ہے جسے مغرب، خاص طور پر امریکہ، اپنی بالادستی کو یقینی بنانے کے لیے استعمال کرتا ہے"۔

ان بنیادوں اور سیاست دانوں اور قانونی ماہرین کے درمیان عالمی قانون کے حوالے سے ہونے والے مباحثوں اور 'قواعد پر مبنی عالمی نظام' کی آڑ میں ہونے والی خلاف ورزیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، یہ واضح ہو جاتا ہے :

دونوں ہی قانون، خواہ وہ جنہیں عالمی قانون کہا جاتا ہے یا قواعد پر مبنی عالمی نظام کہا جاتا ہے، اور ان کی عالمی شاخیں، محض باطل تصورات، پُر فریب اظہار، اور حریف ممالک کو تسلط میں رکھنے، ترقی پذیر اور کمزور ریاستوں کو کنٹرول کرنے اور لوٹنے کے لیے استعماری آلہ جات ہیں جو مغربی استعماری ممالک یعنی کافر اقوام کے تابع ہیں، خصوصاً مسلمان علاقوں میں۔

یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ 1945ء میں جرمنی کی شکست ہونے سے عالمی نظام پیدا ہوا، لیکن یہ ایک ناکام منصوبہ تھا۔ اتحادیوں نے اپنے جنگی مجرموں کو بچایا، جن میں وہ بھی شامل تھے جنہوں نے بڑے پیمانے پر قتلِ عام کا ارتکاب کرتے ہوئے یورپ اور جاپان کے شہروں پر بمباری کی تھی۔ جنگ کے بعد، اتحادیوں نے بارہ ملین سے زیادہ جرمن شہریوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا تھا، اور ان میں سے نصف ملین مر گئے تھے جبکہ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں میں سے کسی کو بھی جوابدہ نہ ٹھہرایا گیا۔

اقوام متحدہ، جو کہ **لیگ آف نیشنز** سے پیدا ہوئی تھی، جس نے مشرقِ وسطیٰ میں برطانوی اور فرانسیسی نوآبادیات کی اجازت دی، حالانکہ لیگ کا رہنما اصول قوموں کی خود مختاری ہونا چاہیے تھا، یہی اقوامِ متحدہ آج بھی مسلم ممالک میں تقسیم اور انتشار کا باعث بنی ہوئی ہے۔

آج بھی، یہ نام نہاد قواعد اسی مقصد کی خدمت کرتے رہتے ہیں جس کے لیے وہ ہمیشہ سے موجود ہیں، یعنی: طاقتور ممالک کی استعماری بالادستی کو جواز فراہم کرنا۔ 'قواعد پر مبنی عالمی نظام' محض امریکی طاقت کی سیاست اور بالادستی کا اظہار ہے۔ حالانکہ امریکہ خود بھی ہمیشہ ان قواعد کا پابند نہیں رہتا۔ طاقتوروں کی خواہشات، جو قواعد کو نظر انداز کر سکتے ہوں، خود ایک قسم کا قاعدہ بن گئی ہیں، اگر ان خواہشات کو انسانیت کے لحاظ سے بیان کیا جائے۔

دنیا بھر کے لوگ ان لیڈران کی طرف سے تضحیک اور فریب کا شکار ہیں جو عالمی قوانین اور ضوابط کی خلاف ورزی کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ آراء ہیں، بجائے اس کے کہ وہ یہ جان لیں کہ یہ قوانین ہمیشہ سے ان لوگوں کے لیے

ایک آپشن ہی رہے ہیں جن کے پاس کافی غالب طاقت اور مہلک ترین اسلحہ موجود ہے۔ ان موجودہ عالمی قوانین میں، چاہے ان کی بنیادیں کچھ بھی ہوں، عالمی منظر نامے پر لیڈر ریاست کی بالادستی اور کنٹرول کے ساتھ، اور مدمقابل میں کثیر قطبی طاقتوں کے ابھرنے، اور مفاد پرست سرمایہ دارانہ نظام کے پھیلاؤ کے ساتھ ان موجودہ عالمی قوانین کے تحت آنے والا مستقبل صرف مزید ناانصافی، حریف اقوام کے مابین جنگیں، اور کمزور ریاستوں پر ان قوانین کی خلاف ورزیوں کو ہی دیکھے گا۔

یہ بات تو بہرحال واضح ہے کہ امریکی انتظامیہ "قواعد پر مبنی عالمی نظام" کے بارے میں مسلسل بات کرکے کئی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے، جن میں سب سے اہم یہ ہیں: ایک بڑا عالمی جواز پیدا کرنا تاکہ **روس اور چین** کے خلاف تنازعہ میں اتحادیوں اور پارٹنرز کو اپنی پیش بندی کے طور پر یکجا کیا جائے، اور یہ اس بنیاد پر کہ **روس اور چین** بنیادی طور پر اس بے اثر عالمی نظام کو کمزور کرنے اور عالمی سکیورٹی کو عدم استحکام میں مبتلا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور اس کے علاوہ مستقبل کے تمام تنازعات کے دوران عالمی اتحاد میں شامل ہونے والے تمام ممالک کی طرف سے تسلیم کر لینے کو یقینی بنانا، اور اس کے ساتھ ساتھ موجودہ یک قطبی عالمی نظام کی تجدید کرنا جو امریکی بالادستی کی ضمانت دیتا ہے اور اس کے علاوہ موجودہ مغربی اصولوں اور اقدار کی مکمل بالادستی کی یقین دہانی کرنا شامل ہیں۔

"عالمی قانون دنیا پر **اقوام متحدہ** اور اس کی ذیلی شاخوں کے ذریعے نافذ کیا گیا تھا، اس عالمی قانون کے تصور اور قواعد اور ان سے نکلنے والے نتائج کا قریب سے جائزہ لینے سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ قانون بنیادی طور پر ناقص، کرپٹ، اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ قانون، اصولی قواعد کا ایک مجموعہ ہوتا ہے جسے ایک حکومتی اتھارٹی نافذ کرتی ہے۔ تو آخر یہ خیالی عالمی اتھارٹی کہاں ہے، کہ جسے ہم عالمی امور پر ایک سب سے زیادہ طاقتور اور بااثر ادارہ نہ سمجھ لیں؟ جبکہ یہ ادارہ بلاشبہ طور پر اپنے مفادات کے مطابق قانون نافذ کرتا ہے، قانون کی حقیقی نوعیت اور کسی بھی طریقے سے نفاذ کے حقیقی میکانزم سے اسے محروم کر دیتا ہے۔ عالمی سطح پر، یہ ناممکن ہے کیونکہ اگر **اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل** میں موجود بڑی طاقتیں اپنے یا اپنے اتحادیوں کے مفادات کے لئے متصادم ہوں تو وہ حق کا اور قانون کی شقوں کا ہرگز کوئی دفاع نہیں کریں گی۔ یہ ان وجوہات میں سے ایک وجہ ہے کہ امریکہ کو جب ضرورت ہو تو وہ عالمی قانون کے علاوہ کچھ اور چاہتا ہے، جسے وہ 'قواعد پر مبنی عالمی نظام' کہتا ہے"۔

باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب سے دنیا پر عالمی برادری اور عالمی قانون کا فریب غالب آیا ہے، دنیا مسلسل مصیبت میں گھری ہوئی ہے۔ کیونکہ ممالک کے درمیان تعلقات باہمی معاہدوں کے ذریعے منظم ہوتے ہیں، نہ کہ ایسے قانون کے ذریعے جو ان پر نافذ کیا گیا ہو، ان تعلقات کو مغربی استعماری ممالک اپنے مفادات کے حصول کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آج دنیا بھر کے لوگ ایک ایسے نئے عالمی نظام کی سخت ضرورت محسوس کر رہے ہیں جو انہیں عدل و انصاف فراہم کرے، اور انسان کی فطرت کے مطابق ہو، اور نوعِ انسان کا اپنے خالق کے ساتھ روحانی تعلق بحال کرے، اور یہ صرف **شریعہ** ہی ہے جو لوگوں کو استعماریت کی تاریکیوں اور ان **طاغوتی** قوانین کے جبر سے باہر نکال کر انہیں اسلام کے نور اور انصاف کی طرف لے کر جائے گی۔

اسلام میں، عالمی قانون جیسی کوئی چیز نہیں ہوتی، اور **خلافت** ان نام نہاد عالمی قواعد کی بنیاد پر مبنی ان تنظیموں میں سے کسی کی رکن یا ان میں شریک نہیں ہوگی۔ آخر کوئی قانون ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس کسی قسم کی کوئی اتھارٹی ہی نہ ہو، اور نہ ہی اپنے فیصلوں کو نافذ کرنے کی کوئی طاقت ہو؟ آخر کیسے کوئی ایسا قانون، عالمی قانون ہو سکتا ہے جو **اسلامی احکام** کے خلاف ہو؟ لہٰذا، **اسلام** میں ان مغربی فریم ورک کے تحت متعارف کرائے گئے کسی عالمی قانون کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ **خلافت** ان عالمی تنظیموں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھے گی، جو کہ انسان کے بنائے ہوئے **شریعت** کے خلاف قوانین پر انحصار کرتی ہیں۔ بلکہ، خلافت الہامی انصاف کی پاسداری کرتے ہوئے، ان سرمایہ دارانہ اور سامراجی طاقتوں کے اثر سے آزاد ہو کر **اسلام** کے قوانین کو ہی نافذ کرے گی۔ "**خلافت، عدل و انصاف** کو پھیلاتے ہوئے اسلامی طرزِ حکمرانی کو دوبارہ قائم کرنا چاہتی ہے، اور ان مغربی نظاموں میں شرکت سے انکار کر دے گی جو **اسلام** اور اس کی اقدار کے پھیلاؤ کے خلاف کام کرتے ہیں"۔

آخر میں نتیجہ یہ کہ، ان تنظیموں جیسا کہ **اقوامِ متحدہ** کی جانب سے پیش کردہ عالمی قانونی نظام، **مغربی استعماریت** کے لیے ایک آلہ کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس نظام کی موجودگی کا بنیادی کام **خلافتِ اسلامیہ** کے قیام کو روکنا اور دنیا کو اس امن اور انصاف سے محروم کرنا ہے جو **اسلام** پیش کر سکتا ہے۔ مسلمان قومی ریاستوں یا ان کے لیڈران کی جانب سے ان قوانین سے اپیلیں کرنا اسلامی مقصد کے ساتھ غداری کرنا ہے، کیونکہ یہ حکومتیں کبھی بھی مسلم علاقوں کی حقیقی آزادی کی اجازت نہیں دیں گی۔ حقیقی حل اس بات میں ہے کہ **اسلامی حکمرانی** کو **دعوت و جہاد** کے ذریعے بحال کیا جائے، نہ کہ ان باطل اور ناانصاف عالمی میکانزم پر انحصار کیا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزۡعُمُونَ أَنَّهُمۡ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدۡ أُمِرُوٓاْ أَن يَكۡفُرُواْ بِهِۦۖ وَيُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمۡ ضَلَٰلَۢا بَعِيدٗا﴾ "کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو تم سے پہلے نازل کیا گیا، وہ چاہتے ہیں کہ فیصلے طاغوت کے پاس لے کر جائیں حالانکہ انہیں تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ طاغوت کا انکار کر دیں، اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور کہیں گمراہی میں بھٹکا دے"۔ (النساء:4:60)

[فہرست]

اُمتِ مسلمہ دوراہے پر: اسلامی شریعت کو نافذ کریں یا عالمی تنظیموں اور حقوق نسواں کی تحریکوں کی طرف رجوع کریں؟

رَنا مصطفیٰ

گزشتہ دہائیوں میں سیکولر مغربی معاشروں میں حقوق نسواں اور مردانہ حقوق کی کئی تحریکیں ابھر کر سامنے آئی ہیں۔ یہ تحریکیں ایسے گمراہ کن نظریات پر مبنی ہیں جن کے تحت افراد کو شخصی آزادیوں سے لطف اندوز ہونے کا لامحدود حق حاصل ہے۔ اور وہ اسے تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار سے بالاتر اور ماوراء سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ اقدار تو آزادیوں کو محدود کرنے، اور انسانوں کو ان رکاوٹوں سے جکڑنے کا ہتھیار ہیں، جو ان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

اقوام متحدہ کے ادارے یو این ویمن نے ان گمراہ کن نظریات کو اپنایا ہے اور پچھلے دس سالوں سے ان کا خوب چرچا کیا جارہا ہے اور اب یہ ایک عام اور معمول کی بات بن چکی ہے۔ اقوام متحدہ کے سابق سکریٹری جنرل بانکی مون نے 16 مئی 2013 کو ہالینڈ کے شہر دی ہیگ میں منعقدہ 'ہوموفوبیا' اور 'ٹرانس فوبیا' کے خلاف عالمی دن کے موقع پر اپنے خطاب میں کہا، "'ہوموفوبیا' کے خلاف جنگ، سب کے لیے انسانی حقوق کے لیے وسیع تر جدوجہد، کا ایک بنیادی حصہ ہے"۔'

مغرب نے اپنی ماتحت بین الاقوامی تنظیموں کے ذریعے

اپنے کج رو اور گمراہ کن نظریات اور ثقافت کو مسلم علاقوں میں برآمد کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ انہوں نے ہمارے معاشروں کو بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ ترتیب دیئے گئے پروگراموں کے ذریعے نشانہ بنایا، جن کا مقصد خواتین کے بارے میں اسلامی تصورات کو تبدیل کرکے مسلم خاندان کو تباہ کرنا ہے۔ خواتین کے متعلق اسلام کا تصور یہ ہے کہ وہ مستقبل کی نسلوں کی معمار اور معلمات ہیں۔ وہی انہیں مستقبل میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے تیار کرتی ہیں۔ لہٰذا اسلامی معاشرے کے "اس اہم ادارے" کو تباہ کرنے اور اس کے نظریات کو آلودہ کرنے کی کوششیں مسلسل جاری ہیں، تاکہ مغربی معیارات اور خدوخال کے مطابق نئی نسل تیار کی جاسکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے، انہوں نے سنہ 1979ء میں (سی ای ڈی اے ڈبلیو / سیڈاء) "کنونشن" اور سنہ 2011 میں "استنبول کنونشن" منعقد کیا جس میں متعدد

معاہدوں کے مسودے تیار کیے گئے۔ استنبول کنونشن کو "خواتین پر تشدد؛ بشمول گھریلو تشدد کی روک تھام اور اس کے خلاف جنگ کا یورپی کنونشن" بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی اعلامیے بھی جاری کیے ہیں جو گمراہ کن ثقافت کو قانونی حیثیت دیتے ہیں، جیسا کہ "خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کا اعلان" جو اقوام متحدہ نے 1993 میں جاری کیا تھا۔

اس طرح کے معاہدوں کو تقویت دینے اور ان کے نفاذ کے لیے خواتین کے متعلق بین الاقوامی کانفرنسوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلی کانفرنس 1975 میں منعقد ہوئی تھی، جسے "بین الاقوامی خواتین کا سال" کا نام دیا گیا تھا، جو میکسیکو سٹی میں منعقد ہوئی اور اس میں مساوات، ترقی اور امن کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کے بعد 1980 میں کوپن ہیگن خواتین کی کانفرنس، 1985 میں نیروبی کانفرنس اور 1994 میں قاہرہ میں آبادی اور ترقی پر بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی، جس نے اپنی رپورٹ میں خاندانی منصوبہ بندی سمیت جنسی اور تولیدی صحت کی خدمات تک رسائی پر زور دیا۔ اس کے بعد 1995 میں بیجنگ کانفرنس اور 1999 میں نیدرلینڈز کانفرنس ہوئی، جہاں ہم جنس پرستی، محفوظ اسقاط حمل، اور زناکاری کو، نوعمروں کے لیے جنسی آزادی کے لیبل کے تحت قانونی حیثیت دی گئی۔

ان بین الاقوامی کانفرنسوں کے بعد علاقائی کانفرنسیں ہوئیں، جن میں خواتین سے متعلق مخصوص مسائل، جیسے خواتین اور میڈیا، خواتین اور تعلیم، خواتین اور خاندان، خواتین اور ترقی، اور خواتین کی معاشی خود مختاری پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ ان موضوعات کا مقصد خواتین کو گمراہ کرنا ہے، جو نہ صرف خاندان کا حصہ ہیں بلکہ اس کے استحکام اور ہم آہنگی کی بنیاد ہیں۔ یونیسیف، یونیفیم اور یونیسکو، اور ان جیسی مختلف تنظیموں نے "جنس" کے تصور پر توجہ مرکوز کی جو واضح طور پر ہم جنس پرستی اور مردوں اور عورتوں کے درمیان مطلق مساوات کا مطالبہ کرتی ہیں اور تمام فطری اختلافات، حتیٰ کہ حیاتیاتی اختلافات کو بھی مٹانے کی بات کرتی ہیں۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد کو نظر انداز کرتے ہیں: ﴿**يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ**﴾ "اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے" (الحجرات: 49:13)۔

ان تمام تنظیموں، انجمنوں اور کانفرنسوں کو بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف)، ورلڈ بینک، اور ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایک واضح مقصد کے تحت فراخدلی سے فنڈز فراہم کیے ہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے؛ ﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ "(اے مسلمانو!) نہ تو اہلِ کتاب میں سے کافر چاہتے ہیں اور نہ ہی مشرک کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو" (البقرۃ: 2:105)۔

ان عالمی تنظیموں کے اقدامات اور بیانات پر نظر رکھنے والے ہر شخص پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ آزاد ادارے نہیں ہیں بلکہ ان بڑی طاقتوں، خصوصاً امریکہ کے زیرِ دست ہیں، جو کہ دنیا کے عالمی منظر نامے کو کنٹرول کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ استعماری ریاستیں ان اداروں کی مالی اور سیاسی طور پر حمایت کرتی ہیں۔ وہی طاقتیں ان اداروں کو استعمال کرتی ہیں اور ان کے فیصلوں کو اس طرح کنٹرول کرتی ہیں جس سے ان کے بین الاقوامی مفادات اور پالیسیوں کا تحفظ ہو سکے۔ نیز، ان طاقتوں کا اصل مقصد مسلم معاشروں کو سیکولر اور مغربیت زدہ بنانا ہے، اور انہیں ان کے دین اور اس کے شرعی احکام سے دور کر دینا ہے۔

یہاں ہم امریکہ کو ایسے گمراہ اقدامات اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں جو تمام تر اقدار، اصولوں، اخلاقیات اور انسانی فطرت کے ساتھ ساتھ تمام الہامی قوانین، یہاں تک کہ ان کے اپنے خودساختہ قوانین سے بھی متصادم ہیں۔ امریکہ اپنے صدر، جو بائیڈن کے ذریعے وائٹ ہاؤس کی تاریخ کے سب سے بڑے جشن میں اعلان کرتا ہے، کہ یہ "ہم جنس پرستوں کی قوم" ہے! حتیٰ کہ اس جشن میں وائٹ ہاؤس میں ہم جنسوں کا مخصوص جھنڈا یعنی "پرائیڈ فلیگ" بھی لہرایا گیا۔

یہ امریکی موقف ہرگز نیا نہیں ہے۔ سابق صدر بل کلنٹن نے 1999ء میں باضابطہ طور پر اعلان کیا تھا کہ ہر سال جون کا مہینہ ہم جنس پرستوں کی کمیونٹی (LGBTQ+ community) کے لیے "فخر کا مہینہ -Pride Month" ہو گا، اور کلنٹن نے ایک پورا مہینہ ان کے جسن منانے کے لئے وقف کر دیا جو کہ ہم جنس پرستوں کی کمیونٹی "LGBTQ+ community" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ صدر اوباما نے بھی اس ہم جنس پرستوں کی کمیونٹی LGBTQ+

community کے لیے اپنی بھرپور حمایت جاری رکھی، اور ایل جی بی ٹی کیو پریڈ کے دن کو "یوم فتح-Victory Day" اور "یوم محبت-Love Day" کا نام دیا۔ اور اسی رِیت کو موجودہ صدر جو بائیڈن نے مزید آگے بڑھایا، اور امریکہ میں ہم جنس پرستوں کی شادی کو تحفظ فراہم کرنے والے بل پر دستخط کر دیئے۔

امریکہ کی طرف سے اس گمراہ کن ثقافت کو اپنانے اور اس کو قانونی حیثیت دینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ریاست پہلے تو خود قانونی اور آئینی طور پر اس فعل کو اپناتی ہے اور پھر اپنی ماتحت عالمی تنظیموں کے ذریعے اس خطرناک رجحان کو دنیا پر مسلط کرنے کے لیے ایک منظم منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ پس، اس فعل کو نہ صرف بین الاقوامی معاہدوں کی شقوں کا حصہ بنادیا گیا ہے بلکہ ان کے سرکاری اہلکار اس فعل کو کھلم کھلا فروغ دیتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ، عالمی لیڈران اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے لے کر مسلم ممالک میں کام کرنے والی حقوق نسواں کی تحریکوں کے نمائندوں تک سب اس مہم میں شامل ہیں۔ خصوصاً، اسلام کے خلاف اپنی منظم جنگ میں، وہ مسلمانوں کی زندگیوں سے متعلق احکامِ شریعت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اسے کھلے عام فروغ دیتے ہیں۔ ان کا بنیادی ہدف اسلامی معاشرتی نظام سے متعلق احکامات ہیں، جو کہ اس پاکیزہ دین کے احکام میں سے اب بھی کسی حد تک برقرار ہیں۔

CEDAW کنونشن کا آرٹیکل 2 کہتا ہے، "موجودہ ایسے تمام قوانین، ضابطوں، رسوم و رواج اور طریقوں کو ختم کرنے یا ان میں ترمیم کرنے کے لیے قانون سازی سمیت تمام مناسب اقدامات کرنا، جو کہ خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کو جنم دیتے ہیں"۔ 1993ء کے خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کے اعلامیے کے آرٹیکل 4 میں کہا گیا ہے، "ریاستوں کو خواتین کے خلاف تشدد کی مذمت کرنی چاہیے، اور تشدد کے خاتمے کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے کسی رسم، روایت، یا مذہبی سوچ کو استعمال نہیں کرنا چاہیے"۔

خصوصاً 1980ء کی دہائی سے لے کر آج تک حقوق نسواں کی تحریکیں اور غیر منافع بخش اور این جی او NGO جیسی تنظیمیں مزید بڑھی اور پھلی پھولی ہیں۔ ان تنظیموں نے عالمی سطح پر انسانی حقوق کے اصولوں خاص طور پر خواتین اور بچوں کے حقوق کے بیانیے کو شدت سے فروغ دیا ہے۔ یہ حقوق دنیا کے بارے میں مغربی سرمایہ دارانہ نکتۂ نظر سے منسلک ہیں۔ انہوں

نے خواتین کو اپنی طرف راغب کرنے اور عالمی معاہدوں پر مبنی اپنی تجاویز اور نظریات کے گرد اکٹھا کرنے کے لیے صنفی اور معاشی خود مختاری کی اصطلاح جیسے نئے عالمی حوالہ جات اور طریقوں کو بھی اپنایا ہے۔

ان تنظیموں اور انجمنوں نے مغربی ثقافت، "گمراہی، بے حیائی اور انحطاط" کی ثقافت کو پھیلانے کے ایک متفقہ منصوبے کے تحت، شام سے لے کر عراق تک اور مراکش سے خلیج عرب تک، ہمارے علاقوں میں منظم کوششیں جاری رکھی ہوئی ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ مرد و عورت کے مابین مکمل مساوات اور معاشی خود اختیاری کا تقاضا کرتے ہوئے حکومتوں کی جانب سے اس عالمی بیانیے کو اپنا لیا گیا ہے جس کے لئے حکومتیں دعویٰ کرتی ہیں کہ اس طرح سے عالمی اقتصادی ترقی پر مثبت اثر پڑے گا اور یوں ان حکومتوں کی زیر سرپرستی یہ فاسد منصوبے تیزی سے فروغ پا رہے ہیں۔

حکمران طبقے اور حکومتی اداروں نے تمام ذرائع ابلاغ بشمول ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات و جرائد، اسکول پروگراموں اور سرگرمیوں کو وزارت تعلیم اور قانونی ترامیم کے ذریعے حقوق نسواں کے مطالبات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے متحرک کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ان تمام انسانی حقوق اور حقوق نسواں کی تنظیموں کے لیے ہر قسم کی مادی اور لاجسٹک مدد فراہم کی جاتی ہے جو "جنس" یا صنفی مساوات کے منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ اس ساری جہد وجہد کا مقصد اسلامی ثقافت، اخلاقیات اور اسلام کی اعلیٰ پاکیزہ اقدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے، اور ان کی جگہ سیڈاCEDAW اور اس کے ہم عصروں کی ثقافت کو لے کر آنا ہے۔

اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ مغربی تنظیموں کے فیصلے نہ صرف ہماری غدار حکومتوں سے ہم آہنگ تھے، بلکہ فساد کی غرض سے بنائی گئی حقوق نسواں کی تحریکوں اور انجمنوں کے بھی عین مطابق تھے۔ اس کا نتیجہ ایسے پروگراموں اور منصوبوں کی صورت میں نکلا جو ابتدا میں تو عورتوں کی آزادی اور مردوں کے ساتھ برابری کا مطالبہ کرتے تھے، اور بالآخر صنفی تبدیلی، اور مختلف گمراہ کن خاندانی ماڈلز اور گمراہ نظام کے فروغ کا باعث بنے۔

حقوق نسواں کی انجمنوں نے بین الاقوامی معاہدوں کی شقوں کو دلفریب الفاظ کا لبادہ اوڑھایا اور انہیں ہمارے علاقوں میں بھڑکیلے نعروں کے ساتھ بر آمد کر دیا تاکہ ہمارے وہ روشن خیال اور وہ لوگ ان کی طرف راغب ہو جائیں جو پہلے ہی مغربی ثقافت سے مبہوت ہیں۔ ان نعروں میں خصوصاً خواتین کے تحفظ اور مرد و خواتین کے درمیان امتیازی سلوک کے خاتمے کا نعرہ لگایا گیا۔ نیز، "صنف یا جنس" پر مبنی اصطلاحات وضع کی گئیں، جیسا کہ "صنفی مساوات"، "صنفی انصاف"، "جنسی شناخت"، اور دیگر اصطلاحات جو "ایک ہی جنس کی آپس میں شادی"، "صنفی تبدیلی"، مردوں اور عورتوں کے درمیان کردار کے تبادلے اور متعدد جنسی ساتھی، جیسے تصورات کو مستحکم کرتی ہیں۔ اور اس کے علاوہ ان جیسے دیگر طرز عمل جو الہامی قوانین کے تحت مذہبی اقدار سے کھلم کھلا متصادم ہیں۔ یہ اطوار انسانی فطرت سے بھی متصادم ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نوعِ انسانی میں تخلیق کی ہے۔

خواتین کے حقوق کی تنظیمیں تمام عالمی فیصلوں کو جلد از جلد نافذ کرنے کے لیے انتھک طور پر سرگرم عمل ہیں، خاص طور پر زیادہ تر مسلم ممالک ان کی سرگرمیوں کا مرکز ہیں جہاں اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے چند معمولی ردوبدل کے ساتھ ان کے کام کی نوعیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوام ان بیرونی اور فاسد افکار کو کیسے دیکھتے ہیں یا ان کا کس قدر مقابلہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، لبنان میں، جو کہ ہر قسم کی ثقافت کے لئے ایک آزاد خیال ملک ہے، وہاں ان تنظیموں کے کام کا طریقہ کار مقبوضہ فلسطین، عراق، اردن یا مصر جیسے ممالک میں کئے جانے والے کام سے مختلف ہوتا ہے۔ تاہم، یہ معمولی ردو بدل ان تنظیموں کے مجموعی مقصد پر قطعی اثرانداز نہیں ہوتا یعنی کہ امت کو گمراہی، بے حیائی اور انحطاط کی ثقافت کی طرف لے جانے کا مقصد ایک ہی رہتا ہے۔

بدقسمتی سے، ان تنظیموں کے اہداف اور منصوبوں کا ایک بڑا حصہ حاصل کر لیا گیا ہے! یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ مسلم دنیا کے معاشرتی حالات، ہر طرف سے انتشار اور اضطراب کے سنگین اور خطرناک حالات میں گھرے ہوئے ہیں کیونکہ ان علاقوں میں بے شمار انجمنیں اور تنظیمیں فعال ہیں۔

لبنان سپورٹ سنٹر، سول سوسائٹی کے مطالعہ میں مہارت رکھنے والا ایک مرکز ہے جس کو عالمی سطح پر فنڈز فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس مرکز کی طرف سے "صنفی عوامل اور لبنان میں ان کی مداخلت کا جائزہ" کے عنوان سے شائع کردہ ایک رپورٹ کے مطابق، لبنان میں تقریباً 40 غیر سرکاری تنظیمیں موجود ہیں جو خواتین کے حقوق سمیت صنفی مساوات، خواتین کے خلاف تشدد، اور بچوں کی تحویل کے حقوق میں دلچسپی رکھتی ہیں۔

حقوق نسواں کی چھتیس (36) تنظیموں میں سے جنہوں نے سروے کا جواب دیا، ان میں سے 27 نے بنیادی طور پر خواتین کے حقوق پر توجہ مرکوز رکھی ہوئی تھی، 13 نے صنفی مساوات، 5 نے کم عمری کی شادی کو روکنے اور 4 نے ہم جنس پرستی (LGBTQ+) جیسے معاملات پر توجہ مرکوز کی۔

لبنان میں سماجی و معاشرتی مسائل میں دلچسپی رکھنے والے عطیہ دہندگان اقوام متحدہ کی مختلف تنظیموں سے تعلق رکھتے ہیں:

اقتصادی اور سماجی کمیشن برائے مغربی ایشیا (ESCWA)

خوراک اور زراعت کی تنظیم (FAO) ،

اقوام متحدہ کا ترقیاتی پروگرام (UNDP)

خواتین کے لیے اقوام متحدہ کا ترقیاتی فنڈ۔(UNIFEM)

اس کے علاوہ مغربی سول سوسائٹی کی تنظیمیں بھی امداد دیتی ہیں، جن کی مالی اعانت سیاسی جماعتوں کے ذریعے ہوتی ہے، جیسے کہ فریڈرک ناؤمن فاؤنڈیشن اور فریڈرک ایبرٹ فاؤنڈیشن۔ ان دونوں کا تعلق جرمنی سے ہے۔

جہاں تک بیرونی ممالک کا تعلق ہے، تو لبنان میں این جی اوز کے لیے ان کی حمایت کافی بڑے پیمانے پر ہے۔ ان ممالک میں سب سے نمایاں امریکہ ہے، جو لبنان میں اپنی فعال ایجنسیوں کے ذریعے، جن میں سب سے اہم، امریکی ایجنسی برائے عالمی ترقی (یو ایس ایڈ-USAID) اور نیشنل اینڈومنٹ فار ڈیموکریسی (این ای ڈی) ہیں۔ مزید برآں یورپی یونین، برطانوی سفارت خانے اور آسٹریلوی سفارت خانے کی جانب سے بھی فنڈنگ کی جاتی ہے۔

اس نکتہ پر، کوئی بھی یہ سوال کر سکتا ہے کہ: "فنڈنگ" کے رجحانات کس حد تک ان منصوبوں کے ڈیزائن، اور ان کے نفاذ کی مہم میں مددگار ہوتے ہیں؟

یہ کہنا درست نہیں کہ ایک ایسے ملک لبنان میں بڑی تعداد میں حقوق نسواں کی انجمنوں کا ہونا فطری بات ہے جہاں مختلف قسم کی ثقافتوں کے لئے ایک آزاد خیال ملک ہے، چنانچہ ہم ایک مقبوضہ ملک، مقبوضہ فلسطین کی مثال دیتے ہیں، جو اب بھی کسی حد تک دین کے احکام پر عمل پیرا ہے، خصوصاً معاشرتی نظام کے حوالے سے۔ یہاں پر بھی سی ای ڈی اے ڈبلیو (CEDAW) کنونشن سمیت خواتین سے متعلق بین الاقوامی معاہدوں کے نفاذ کی تیاری اور ان پر عمل درآمد کے لیے فلسطینی خواتین کی جنرل یونین کی قیادت میں حقوق نسواں کا سول اتحاد تشکیل دیا گیا تھا۔

یہ یونین، فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) کی ذیلی تنظیم ہے جو 57 انسانی حقوق اور حقوق نسواں کے اداروں، مزدور یونینوں، اور حقوق نسواں کے فریم ورکس پر مشتمل ہے۔ ان کا کام مبینہ طور پر خواتین کی وکالت، ان کا تحفظ اور انہیں صحت، تعلیم اور قانونی شعبوں میں مقامی اور عالمی سطح پر، سماجی، اقتصادی، سیاسی طور پر بااختیار بنانا ہے۔ مغربی کنارے میں، بشمول یروشلم، اور غزہ کی پٹی میں ہی کم از کم 23 انجمنیں کام کر رہی ہیں۔

یہ سب اس فلسطینی غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) کے نیٹ ورک (PNGO) کے علاوہ ہے، جو اس کی ویب سائٹ کے مطابق، ایک آزاد، ڈیموکریٹک سول سوسائٹی نیٹ ورک ہے۔ اور اس کا مقصد فلسطینی معاشرے کو جمہوری اصولوں، سماجی انصاف، پائیدار ترقی، اور انسانی حقوق کے احترام پر کاربند کرنا ہے۔ اور اسی فریم ورک کے اندر اسکی حمایت کرنا اور اسے بااختیار بنانا ہے۔ فلسطینی این جی او نیٹ ورک (PNGO) کا قیام ستمبر 1993 میں اوسلو معاہدے پر دستخط کے فوراً بعد ہوا تھا۔ اس وقت، اس کی رکنیت میں مختلف انسانی، سماجی اور ترقیاتی شعبوں میں کام کرنے والے 145 فلسطینی سول ادارے شامل تھے۔ یہ تعداد اس کے آغاز میں تھی، لیکن آج، ویسٹ بینک میں فلسطینی این جی او نیٹ ورک کے اندر رجسٹرڈ تنظیموں کی تعداد 516 ہے؛ جن کی تقسیم درج ذیل ہے: غزہ گورنریٹ میں 189 تنظیمیں، مرکزی گورنریٹ میں 73، خان یونس گورنریٹ میں 55 تنظیمیں، رفح گورنریٹ میں 43، اور رام اللہ اور البیرۃ گورنریٹ میں 36 تنظیمیں ہیں۔

لیکن جب غزہ کی خواتین اور بچوں کے خلاف نسل کشی کی بات آتی ہے تو یہ حقوق نسواں تنظیمیں کہاں چلی جاتی ہیں؟! یا اصل بات یہ ہے کہ انسانی حقوق کا ذکر محض سیاسی مفادات اور ضروریات کو مدنظر رکھ کر ہوتا ہے اور جب یہ مفادات موجود نہ ہوں تو یہ ذکر بھی غائب ہو جاتا ہے ؟!

یہ حقوق نسواں کی انجمنیں اور بین الاقوامی تنظیمیں، جو خواتین اور بچوں کے حقوق کی بالادستی کا دعویٰ کرتی ہیں اور ہمارے معاشروں میں رگوں میں خون کی طرح دوڑتی ہیں، یہ دراصل ایک "کاٹھ کے گھوڑے" کی طرح ہیں، جو خواتین کو جھوٹے نعروں سے دھوکا دیتی ہیں اور ان کو پھولوں بھری زندگی کے سبز باغ دکھاتی ہیں، جبکہ ان کے اصل اہداف پوشیدہ اور بدنیتی پر مبنی اور مجرمانہ ہیں جو امت مسلمہ کو برائی، بے حیائی اور انتشار کی دلدل میں گھسیٹنا چاہتے ہیں۔ یہ انجمنیں ہمارے خاندانوں تک پہنچنے، خواتین کے کردار کو کمزور کرنے، اور اس طرح ہماری آنے والی نسلوں کو تباہ کرنے اور دین اور شریعت کے احکام کو کمزور کرنے کے لیے محض ایک ذریعہ کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ تاہم، وہ ناکام ہوں گی اور ان کی کوششیں رائیگاں جائیں گی، کیونکہ اسلام کی حفاظت کا ذمہ اللہ رب العالمین نے قیامت تک کے لئے اٹھایا ہے۔ حتیٰ کہ اگر باطل دنیا میں پھیل جائے اور زمین میں جگہ بھی حاصل کر لے، پھر بھی اہل حق ہی غالب رہیں گے کیونکہ باطل کا مقدر فنا ہونا ہے، خواہ یہ کچھ دیر بعد ہی کیوں نہ ہو۔ وہ لوگ جو ظلم کرنے والے ہیں اور غیر اخلاقی کام کرنے والے ہیں، وہ جلد ہی دیکھ لیں گے کہ وہ کیا انجام پاتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يُنفِقُونَ أَمۡوَٰلَهُمۡ لِيَصُدُّواْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيۡهِمۡ حَسۡرَةٗ ثُمَّ يُغۡلَبُونَۗ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحۡشَرُونَ﴾ "بیشک کافر اپنے مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں تو وہ جو مال خرچ کریں گے پھر وہی مال ان پر حسرت و ندامت ہو جائیں گے پھر یہ مغلوب کر دیے جائیں گے اور کافروں کو جہنم میں جمع کیا جائے گا" (سورہ الانفال؛8:36)۔

ہم پر واضح ہو گیا ہے کہ مغرب، امت مسلمہ کو کمزور کرنے کے لیے کیا منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ اس لیے ہمیں ان جھوٹے نعروں اور غلط وعدوں کے بارے میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے، جو ان فاسد تنظیموں کی طرف سے پھیلائے جاتے ہیں۔ ہمیں ان کو شریعت کے پیمانے اور کسوٹی پر جانچنا چاہیے، تاکہ ہم دھوکے میں نہ آئیں اور گوہ کے بِل میں نہ گر پڑیں۔

ہمیں چھوٹے اور بڑے تمام معاملات کو صرف اسلامی عقیدہ کے نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے، اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اسلام کس عمل کا حکم دیتا ہے اور کس عمل سے منع کرتا ہے، اور اس عقیدہ نے ہمارے لیے شرعی احکام کو واضح کر دیا ہے، تاکہ ہم ان پر عمل کر سکیں۔ سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہیے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان بدنیت اداروں کے خلاف کھڑے ہوں، اور ان کے منصوبوں کو ناکام بناتے ہوئے، خواتین اور لڑکیوں کو ان انجمنوں میں جانے سے روکیں، ان کی تباہ کن اور بدنیتی پر مبنی سرگرمیوں میں شرکت سے روکیں، اور انہیں اسلامی ثقافت اور تصورات، خصوصاً خواتین سے متعلقہ اسلامی احکام کے ساتھ مضبوطی سے جوڑیں۔ خواتین کے حقوق اور فرائض، اور اسلامی زندگی میں ان کے اہم ترین کردار کو واضح کریں۔ ان کو بتائیں کہ ان کا مقصد ایسی نسلوں کی تعمیر ہے جو اپنے دین کی تعظیم کریں اور اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت کو نافذ کریں۔ اور یہ اللہ کے اس حکم کے عین مطابق ہے؛ ﴿**يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ**﴾ "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت مزاج طاقتور فرشتے (مقرر) ہیں جو کسی بھی امر میں جس کا وہ انہیں حکم دیتا ہے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام انجام دیتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے" (سورہ تحریم 66:6)۔

اسلام، اپنے احکام و قوانین کے ساتھ، مرد اور عورت دونوں کے لیے باوقار زندگی کی حقیقی ضمانت ہے، کیونکہ یہ خواتین کو ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کے طور پر دیکھتا ہے جن کی حرمت کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ اسلام نے مردوں کو خواتین کی حفاظت، دیکھ بھال اور مالی کفالت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ اسلامی عقیدہ مسلمان خاندان کی حقیقی طاقت ہے جو اس

بات کو یقینی بناتا ہے کہ وہ اسلام کے احکام کے مطابق زندگی گزارے اور یہی امر ہی امن و سلامتی کی ضمانت دے گا اور خاندان کو ہر مصیبت اور برائی سے محفوظ رکھے گا۔

اسلامی ریاست جو اسلام کے اصولوں کے مطابق حکومت کرے گی اور تمام معاشرتی، سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی نظاموں پر اسلامی احکامات نافذ کرے گی۔ وہ پوری انسانیت کے حقوق کا اسی طرح تحفظ کرے گی، جس طرح اس نے کئی صدیوں تک کیا تھا۔

جب سے اس خلافت کا سقوط ہوا ہے، جو مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی، اور اپنے زیر انتظام رہنے والے ہر شخص کے ساتھ حسن سلوک کرتی تھی اور جب سے اللہ کے قوانین کو انسانوں کے خود ساختہ قوانین سے بدل دیا گیا ہے، جن کا کوئی اخلاقی معیار نہیں ہے، لوگ تاریکی اور ظلم و ستم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ان شاء اللہ آنے والا وقت سرمایہ دارانہ نظام کا زوال اور اسلام کا عروج دیکھے گا اور دنیا میں اسلام کا نور اور رحمت پھیل جائے گی۔

اب ہم اللہ کے اذن سے آنے والی ریاست خلافت کے آئین میں موجود نکات میں سے کچھ آرٹیکلز پیش کریں گے۔ یہ تقابلی جائزے کے لیے ہر گز نہیں ہے، کیونکہ کہاں اسلامی احکام؟ اور کہاں وہ مغربی تہذیب جو خواتین کو ترقی کے نام پر بدحالی، پریشانیوں اور مشکلات میں مبتلا کئے ہوئے ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قوانین اور انسانوں کے بنائے گئے قوانین میں کسی قسم کا کوئی موازنہ ہی نہیں ہے، کہ جنہوں نے نہ صرف خواتین کی تذلیل کی ہے بلکہ انسانیت کو بھی اس کے مقام سے گرا دیا ہے۔

دفعہ نمبر 112: بنیادی طور پر عورت ایک ماں ہے اور گھر کی ذمہ دار ہے۔ وہ ایک ایسی آبرو (عصمت) ہے جس کی حفاظت فرض ہے۔

دفعہ نمبر113: بنیادی اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد الگ الگ ہوں۔ اور وہ دونوں کسی ایسی ضرورت کے سوا اکٹھے نہیں ہو سکتے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو یا جس (شرعی ضرورت) کے لیے اجتماع ناگزیر ہو جیسے تجارت کے لئے یا حج کے لیے۔

دفعہ نمبر114: عورت کے بھی وہی حقوق ہیں جو مرد کے ہیں اور عورت پر بھی وہی فرائض ہیں جو مرد پر ہیں، ماسوائے ان حقوق کے جو اسلام نے عورت کے ساتھ خاص کیے ہیں یا اسی طرح مرد کے بھی کچھ خاص فرائض ہیں جو شرعی دلائل سے ثابت ہیں۔ چنانچہ عورت کو تجارت، زراعت اور صنعت کا حق حاصل ہے، وہ عقود اور معاملات کی نگرانی کر سکتی ہے۔ عورت کو ہر قسم کی ملکیت کا بھی حق حاصل ہے اور وہ اپنے اموال کو خود یا کسی کے ذریعے ترقی دے سکتی ہے۔ اور زندگی کے تمام معاملات (مسائل) کو خود براہِ راست بھی نپٹا سکتی ہے۔

دفعہ نمبر115: سرکاری ملازمتوں پر عورت کا تقرر جائز ہے اور محکمۃ المظالم کے علاوہ عدلیہ کی باقی ذمہ داریاں سنبھالنا بھی اس کے لیے جائز ہے۔ عورت مجلسِ اُمت کے لیے اراکین منتخب کر سکتی ہے اور خود بھی اس کی رکن بن سکتی ہے۔ اسی طرح وہ خلیفہ کے انتخاب اور اس کی بیعت میں بھی شریک ہو سکتی ہے۔

دفعہ نمبر116: عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ چنانچہ وہ خلیفہ، معاون، والی، عامل اور کوئی ایسا عہدہ قبول نہیں کر سکتی، جس پر حکمرانی کا اطلاق ہوتا ہو۔ اسی طرح عورت کے لیے قاضی القضاۃ بننا، محکمۃ المظالم کا قاضی بننا یا امیرِ جہاد بننا بھی جائز نہیں ہے۔

دفعہ نمبر117: عورت کی زندگی دو دائروں میں ہے: پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف۔ چنانچہ پبلک لائف میں دوسری خواتین، محرم اور غیر محرم مردوں کے ساتھ رہنا جائز ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس صورت میں عورت کا چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا جسم کا دوسرا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو، نہ اظہارِ زینت ہو اور نہ بے پردگی ہو۔ جبکہ پرائیویٹ لائف میں عورت کے لیے صرف عورتوں اور اپنے محرم مردوں کے ساتھ زندگی گزارنا جائز ہے۔ کسی

عورت کے لئے اجنبی مردوں کے ساتھ رہنا ہرگز جائز نہیں۔ زندگی گزارنے کی ان دونوں صورتوں یعنی پرائیویٹ لائف اور پبلک لائف میں عورت احکامِ شریعت کی پابند ہے۔

دفعہ نمبر118: کسی بھی غیر محرم (جس کے ساتھ نکاح جائز ہو) کے ساتھ خلوت (تنہائی) ممنوع ہے۔ اسی طرح غیر محرموں کے سامنے تبرج (زینت دکھانے) اور ستر کا ظاہر کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

دفعہ نمبر119: مرد اور عورت دونوں کو ہر اس کام سے روکا جائے گا جو اخلاقیات کے لیے خطرناک ہو اور معاشرے کے شر کا سبب ہو۔

دفعہ نمبر120: ازدواجی زندگی اطمینان کی زندگی ہونی چاہیے اور زوجین کے درمیان رفاقت ہونی چاہیے۔ شوہر کے عورت پر قوام ہونے کا مطلب عورت کی دیکھ بھال کرنا ہے، نہ کہ عورت پر حکمرانی کرنا۔ بیوی پر شوہر کی اطاعت فرض ہے۔ مرد پر بیوی کے لیے مثل معروف نان ونفقہ کا بندوبست کرنا بھی فرض ہے۔

مندرجہ بالا اور دیگر کئی دفعات، جو مرد اور عورت کے درمیان معاملات اور ان معاملات کی وجہ سے پیدا ہونے والے تعلقات کو منظم کرتی ہیں۔ نیز یہ واضح کرتی ہیں کہ کس طرح صرف اسلام نے ہی عورتوں کو عزت دی ہے۔ اسلام نے عورتوں کی مالی کفالت اور ان کے لیے رہائش کی فراہمی کا حکم دیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ بہترین صدقہ وہ لقمہ ہے جو مرد اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **«مَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ»** "جو اپنے پیچھے محتاجوں کو چھوڑے، ان کا خیال رکھنا میری ذمہ داری ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: **«رِفْقًا بِالْقَوَارِيرِ»** "عورتوں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ''، عورتیں مائیں، گھروں کی دیکھ بھال کرنے والی اور عزت وعصمت ہیں، جن کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ ان پر کمانے کا فریضہ عائد نہیں کیا گیا بلکہ ان کے اور ان کے بچوں کی مالی کفالت ان کے مردوں اور ریاست پر عائد ہے۔ خواتین وہ قیمتی موتی ہیں جن کی حفاظت کے لیے فوجیں روانہ کی گئیں۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا، اور ان کے بعد المعتصم جیسے فوجی کمانڈروں نے،

جنہوں نے ایک خاتون پر حملہ کی خبر سن کر اس کی عزت بحال کرنے کے لیے فوج بھیج دی۔ یوں ایک خاتون ہی اس وقت کی سب سے طاقتور سلطنت کی فتح کا سبب بنی۔

رہی یہ بات کہ آئندہ آنے والی ریاست خلافت ایسی انجمنوں سے کیسے نمٹے گی؟ تو اس بارے میں خلافت کا مسودۂ آئین کہتا ہے:

دفعہ نمبر182: کسی فرد، حزب، گروہ یا جماعت کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کے کسی اجنبی ملک کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات ہوں۔ دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات صرف ریاست کا کام ہے کیونکہ صرف ریاست کو امت کے امور کی سرپرستی کا حق حاصل ہے۔ امت اور اس کی جماعتیں ان خارجی تعلقات کے بارے میں ریاست کا محاسبہ کر سکتی ہیں۔

دفعہ نمبر191: ریاست کے لیے ان تمام تنظیموں میں شرکت جائز نہیں ہو گی، جن کی بنیاد اسلامی نہیں یا جو اسلامی احکامات کو چھوڑ کر غیر اسلامی احکامات کی تطبیق کی بنیاد پر قائم ہیں۔ اس میں بین الاقوامی ادارے بھی شامل ہیں جیسا کہ "اقوامِ متحدہ"، "عالمی عدالتِ انصاف"، "عالمی مالیاتی فنڈ"، "عالمی بنک" اور اسی طرح علاقائی تنظیمیں بھی جیسا کہ "عرب لیگ" وغیرہ۔

جس بنیاد پر بین الاقوامی اور مقامی تنظیمیں قائم ہیں وہ شریعت میں ممنوع ہے۔ ان کی بنیاد سرمایہ دارانہ نظام پر ہے، جو کہ کفر کا نظام ہے، اور یہ بڑی طاقتوں، خصوصاً امریکہ کے ہاتھوں میں ایک آلہ ہے، تاکہ وہ مسلم دنیا سمیت دیگر چھوٹی ریاستوں پر اپنا تسلط قائم کر سکیں۔ افراد، سیاسی گروہوں اور اسلامی ریاست کے لیے ایسی تنظیموں میں شرکت کرنا حرام ہے۔

حزب التحریر کی طرف سے تیار کردہ خلافت کے آئین کے مسودے میں یہ اور بہت سی دوسری دفعات ہمیں دکھاتی ہیں کہ اسلام کس طرح انسانی زندگی کے کسی بڑے سے بڑے یا چھوٹے سے چھوٹے حصے کو بھی مخصوص قوانین، احکام اور نظاموں کے ذریعے منظم کیے بنا نہیں چھوڑتا۔ اپنے بندوں کے معاملات کے بارے میں اللطیف الخبیر (باریک بین اور

باخبر) سے زیادہ جاننے والا کون ہو سکتا ہے؟ وہ اللہ رب العزت ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی چیز ان کی زندگی کو فائدہ پہنچاتی ہے اور ان کے مسائل حل کرتی ہے؟

ان سرمایہ دارانہ تنظیموں کے ظلم و ستم سے بچنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ اسلام کے عدل پر مبنی ریاست کو قائم کیا جائے۔ خواتین کے حالات کو بدلنے اور ان کے لیے انصاف کے حصول کا کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اسلامی طرزِ زندگی کا پھر سے احیاء کیا جائے۔ جو اللہ کی شریعت سے اخذ کردہ قوانین کو نافذ کرتی ہے۔ جس میں تمام بھلائی، کامیابی اور نیکی مضمر ہے۔ ہم اس تباہ کن راستے پر چلنے پر ہرگز مجبور نہیں ہیں جس کی طرف کافروں کے ایجنٹ، غدار حکومتیں اور مغرب کے ایجنڈوں کی غلام خواتین کی انجمنیں ہمیں گھسیٹ رہی ہیں۔ ہمارے پاس ایک اصل متبادل ہے، ایک آئین جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اخذ کردہ ہے۔

فہرست

خصوصی سرمایہ کاری سہولت کونسل (SIFC) سے پاکستان کو پانچ خطرات درپیش ہیں

محمد سلجوق، پاکستان

سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے نفاذ نے پاکستان کی معیشت کو تباہی سے دوچار کر دیا ہے۔ ان معاشی پالیسیوں نے پاکستان میں امت کے مصائب میں اضافہ کیا ہے۔ ان معاشی پالیسیوں کے نتائج نے کسی کو بھی نہیں بخشا، خواہ وہ معاشرے کا غریب، متوسط یا زیادہ آمدنی والا طبقہ ہو۔ قرضوں کے جال کی بگڑتی صورتحال اور سود کی ادائیگیوں نے پاکستان کی صنعتوں کو مفلوج کر دیا ہے، اور اس صورتحال نے بصارت سے محروم حکومتوں کو کمر توڑ ٹیکس لگانے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح، پاکستان کی معیشت کو بیرونی اور ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لیے نچوڑا جا رہا ہے، اور ان قرضوں اور سود کی ادائیگی کے بعد اتنے وسائل ہی نہیں بچتے جو فوجی ضروریات اور غیر فوجی ضروریات جیسا کہ صحت، تعلیم اور غربت کے خاتمے جیسے اہم معاملات کے لیے استعمال ہو سکیں۔ اس وقت پاکستان کا قرض سے جی ڈی پی کا تناسب 72 فیصد ہے جو کہ بہت زیادہ ہے۔

معاشی وسائل کی کمی نے پاکستان میں حکومتی شعبے کو نظر ثانی پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ بجٹ میں رکھی گئی رقم کو تقسیم کرنے کی ترجیحات کو تبدیل کرے۔ یہ نظر ثانی باجوہ-عمران کے دور میں شروع ہوئی اور عاصم-شریف کے دورِ حکومت میں بھی جاری ہے۔ امریکی رہنمائی کے تحت، پاکستان کی نئی قومی سلامتی پالیسی (این ایس پی) نے فوجی سلامتی پر اقتصادی سلامتی کو ترجیح دی ہے۔ اس نئے نظریے کے تحت، پاکستان نے اپنے جیو اسٹریٹجک عزائم کو ترک کرنے اور خود کو جیو اکنامک دائرے تک محدود رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ یہ پالیسی براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری، غیر ملکی ترسیلات زر اور ڈالر کمانے کے لیے برآمدات میں اضافے کو ترجیح دیتی ہے، تاکہ جڑواں (بجٹ اور تجارتی) خسارے کے بحران سے بچا جا سکے اور ممکنہ ڈیفالٹ کو روکا جا سکے۔

این ایس پی (NSP) کے قیام کے بعد سے، فوج 'معاشی استحکام' کو آگے بڑھانے کے لیے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے، اور اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کے بنیادی عسکری مقصد سے دور ہو رہی ہے۔ اگرچہ ماضی میں فوجی قیادت نے رئیل اسٹیٹ سیکٹر سے لے کر زراعت تک اپنی معاشی سلطنت چلائی ہوئی ہے، لیکن نئی قومی سلامتی پالیسی (NSP) میں اس نے اپنے مینڈیٹ کو وسعت دی تاکہ معاشی سرگرمیوں کے پورے میدان کو شامل کیا جائے۔

تاریخی طور پر، معیشت کے حوالے سے سیاسی اور عسکری قیادتوں کی پالیسی میں بہت کم فرق رہا ہے۔ مالی وسائل کو کہاں استعمال کرنا ہے، ان پر کچھ اندرونی اختلاف کو چھوڑ کر، اقتصادی پالیسی کا وسیع خاکہ فوجی اور سیاسی قیادتوں کے ادوار میں یکساں رہا ہے۔ سویلین اور فوجی رہنما، دونوں 'واشنگٹن کے بعد کے اتفاق رائے'(the post-Washington consensus)، استعماری مالیاتی اداروں، زیادہ ٹیکسوں اور نجکاری کی حمایت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان پالیسیوں کے نتیجے میں پاکستان کے عوام نے ہر دور اور ہر شعبے میں، اپنی دولت میں کمی اور معیار زندگی کو گرتے ہی دیکھا ہے۔

تاہم، اہم فرق جو حال ہی میں اقتصادی نظم و نسق کے معاملے میں سامنے آیا ہے وہ ایک نیا اتفاق رائے ہے: ہائبرڈ ماڈل۔ فیصلہ سازی کے اس ماڈل میں عسکری قیادت معاشی پالیسی سازی میں پیش پیش ہے جبکہ سیاسی قیادت انہیں سیاسی ڈھال فراہم کر رہی ہے۔ اب سول اور فوجی قیادت، دونوں اقتصادی فیصلے کرنے میں ایک ساتھ شریک ہیں۔

اس تناظر میں، خصوصی سرمایہ کاری سہولت کونسل (SIFC) 2023 میں عاصم-شریف حکومت کے آغاز میں بنائی گئی تھی۔ کونسل، جو اب ایک مکمل وزارت ہے، پانچ اہم شعبوں، توانائی، کان کنی، انفارمیشن ٹیکنالوجی، ہوا بازی اور زراعت میں غیر ملکی سرمایہ کاری کو راغب کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھی۔ غیر ملکی سرمایہ کاری پر موجودہ توجہ قومی سلامتی پالیسی (NSP) سے نکلتی ہے جو عالمی سرمایہ کاروں کے ساتھ ترقیاتی شراکت داری کو ترجیح دیتی ہے۔ اب ایس آئی ایف سی کو اصل حکومت قرار دینا مبالغہ آرائی نہیں ہو گا، جہاں اہم وزراء اور بیوروکریٹس براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کو راغب کرنے کے لیے اپنے منصوبے پیش کرتے ہیں اور پھر فوجی قیادت ان پر فیصلہ لیتی ہے۔

سیاسی نظریات اور سیاسی موقف کی اب بہت کم اہمیت رہ گئی ہیں۔ اس بات کا تعلق حکمران اتحاد، خصوصاً مسلم لیگ (ن)، کے ملکی سیاسی مفادات سے ہے۔ مسلم لیگ (ن) کی قیادت میں کابینہ کے دو اہم وزراء اسحاق ڈار اور احسن اقبال کو معاشی فیصلہ سازی سے باہر رکھا گیا ہے۔ ان دونوں اشخاص کی اولین توجہ انتخابی مقاصد کے لیے عوام کو کچھ حد تک ریلیف فراہم کرنا رہی ہے، کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں انتخابات کے دوران لوگ انھیں ووٹ نہیں دیں گے۔ جنرل عاصم نے اس بات کو یقینی بنایا کہ دونوں وزراء ایس آئی ایف سی کا حصہ نہیں بنیں گے۔ انہوں نے اس بات کو بھی یقینی بنایا کہ وزارت خزانہ مسلم لیگ (ن) کی پہنچ سے دور رہے۔ عاصم-شریف حکومت کی ترجیح استعماری معاشی پروگرام اور سرمایہ کاری کی

پالیسیوں کو بیک وقت نافذ کرنا ہے۔ اگرچہ حکمران دھڑے خوب مال کما رہے ہیں، لیکن پاکستان عالمی سرمایہ دار گدھوں پر انحصار کر رہا ہے۔

عاصم-شریف حکومت نے پاکستان کے معاشی مسئلہ کو ڈالر کی کمی یا ڈالر کے ذخائر میں کمی سے تعبیر کیا ہے۔ یہ حکومت بین الاقوامی قرض دہندگان سے سودی قرضوں اور براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کے ذریعے ڈالر کمانا چاہتی ہے۔ لیکن اس حکمت عملی کے ذریعے حکومت، پاکستان کو مزید قرضوں میں غرق کر رہی ہے، جبکہ مقامی معیشت پر غیر ملکی تسلط میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ایس آئی ایف سی(SIFC) کی یہ حکمت عملی پاکستان کی اقتصادی خود مختاری کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ معدنیات، توانائی، انفارمیشن ٹیکنالوجی، ہوابازی اور زراعت مضبوط ریاست کے لیے ضروری شعبے ہیں۔ یہ شعبے، جہاں بہت زیادہ سرمایہ درکار ہوتا ہے، غیر ملکی سرمایہ کاروں کو فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں، جبکہ ریاست کو لوگوں کے مفاد میں ان شعبوں کی نگرانی اور ترقی خود کرنی چاہیے۔ خلیجی ممالک پر حکمرانی کرنے والے مغرب کے ایجنٹس ان شعبوں میں دلچسپی کا اظہار کرتے نظر آرہے ہیں اور وہ ان شعبوں میں ملکیت کا کچھ فیصد حصہ خریدنا چاہتے ہیں۔

امریکی اسٹریٹجک ایجنڈے کی پیروی کے نتیجے میں پاکستان کے لیے اقتصادی میدان میں پانچ نمایاں خطرات پیدا ہو رہے ہیں:

سب سے پہلے، فوج کو بھارت سے دور رکھنا: پہلا خطرہ پاکستان کی مسلح افواج کا رخ بدلنا ہے۔ اپنے محل وقوع اور مضبوط فوج کی وجہ سے، پاکستان ہمیشہ سے خطے میں ایک اہم اسٹریٹجک کھلاڑی رہا ہے۔ تاہم، اب یہ مکمل طور پر براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اقتصادی تحفظ کو یقینی بنانے پر مرکوز ہے۔ اس کے لیے فطری طور پر سرحدوں پر امن کو برقرار رکھنا اور خطے میں ہندوستان کے علاقائی عزائم کو پاکستان کی جانب سے کسی قسم کا چیلنج نہ کرنا، ضروری ہے۔

دوم، یہودی وجود اور ہندو ریاست کے ساتھ معمول کے تعلقات کے قیام کے لیے راہ ہموار کرنا: سرمایہ کار تنازعات سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور منافع کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔ یہی وہ سوچ ہے جو پاک فوج کے اندر پروان چڑھ رہی ہے۔ سوچ یہ ہے کہ پاکستان کو کسی بھی ریاست کے ساتھ تصادم نہیں کرنا چاہیے، اسے ہر ایک سے سرمایہ کاری کو راغب کرنا چاہیے اور ملک کو کسی بھی بین الاقوامی کیمپ میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس ذہنیت کو فوج کی

قیادت میں امریکہ نواز عناصر کی طرف سے آگے بڑھایا جارہا ہے جس کا مقصد بھارت کے ساتھ دشمنی کو کم کرنا اور یہودی وجود کو تسلیم کرنے کی بنیاد بنانا ہے۔

تیسرا، فوج کی کارکردگی میں کمی آنا: فوج کے اندر پالیسی سازی کے اہم عہدوں کو نام نہاد معاشی ماہرین سے بھرا جا رہا ہے۔ ایس آئی ایف سی (SIFC) خود فوجی افسران کے زیر انتظام ہے جن کا کام غیر ملکی سرمایہ کاری کو آسان بنانا ہے۔ اس سے فوج کی ترجیحات تقسیم ہو جاتی ہیں، اور اس کی جنگ لڑنے کی صلاحیت کمزور ہو جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا اور شہادت کے حصول کے لیے اسلامی فکر کے بجائے فائدے اور نقصان کا اصول تیزی سے اہم فیصلوں کی بنیاد بنتا جارہا ہے۔

چوتھا، عوام کے لیے بڑھتی ہوئی معاشی تکلیف: معاشی مشکلات سے دوچار امت کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کے نتیجے میں روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے جھوٹے وعدے کیے جارہے ہیں۔ حقیقت میں استعماری معاشی پروگرام نے مقامی صنعت کو تباہ کر دیا ہے اور ملک کو مزید قرضوں کے جال میں دھنسا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری نے معیشت پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ پاور سیکٹر میں نجی شعبے کی سرمایہ کاری، بدنام زمانہ انڈیپنڈنٹ پاور پروڈیوسرز (IPPs) نے توانائی کے شعبے کو قرضوں میں غرق کر دیا ہے۔ یہی معاملہ چین پاکستان اقتصادی راہداری (CPEC) کا بھی ہے۔ ایس آئی ایف سی بھی صرف اسی طرح کے مزید وعدے کر رہا ہے۔

پانچویں، سٹریٹجک اثاثوں کی نجکاری: عاصم - شریف حکومت کے اقتصادی منصوبے کا مرکزی نقطہ اہم اثاثوں کی نجکاری کرنا ہے: معدنیات، انفارمیشن ٹیکنالوجی، زراعت، ہوابازی اور توانائی کے شعبے۔ اگرچہ یہ توجہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن عسکری قیادت کی حمایت کے پیش نظر اس کے حصول کی طرف پیش قدمی مضبوط ہے۔ واضح معاشی نقصانات کے علاوہ، نجکاری کا منصوبہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو ہماری خارجہ پالیسی پر بھی اثر انداز ہونے کے قابل بنائے گا۔

اے پاکستان کے مسلمانو اور اس کی مسلح افواج!

خصوصی سرمایہ کاری سہولت کونسل (SIFC) ہماری غربت کو بڑھانے اور دشمنوں کے سامنے ہماری فوجی صلاحیتوں کو کم کرنے کا استعماری منصوبہ ہے۔ فوجی قیادت میں موجود امریکہ کے ایجنٹ اس منصوبے پر جارحانہ عمل کر رہے ہیں۔ جہاد کو ترک کرنے سے ہماری ذلت اور رسوائی ہی بڑھے گی جب تک کہ ہم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ بِأَذْنَابِ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ**

سَلَّطَ اللهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُم» "جب تم بیع عینہ(سود کی ایک شکل) کرنے لگو گے، بیلوں کے دم تھام لو گے، کھیتی باڑی میں مست و مگن رہنے لگو گے، اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا، جس سے تم اس وقت تک نجات و چھٹکارانہ پا سکو گے جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے"۔(ابو داؤد)۔ ہر ایک مسلمان کو مسلح افواج میں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ خلافت راشدہ کے دوبارہ قیام کے لیے حزب التحریر کو اپنی نصرۃ فراہم کریں۔

فہرست

اسلامی جدیدیت (الحداثة الإسلامية)، سنتِ رسول ﷺ پر حملہ

ادریس پاشا۔ ولایہ پاکستان

اسلامی جدیدیت (الحداثة الإسلامية) ایک ایسا نظریہ ہے جو اسلام کی تشریح کو مغربی لبرل ورلڈ آرڈر کی اقدار اور ڈھانچہ کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انیسویں صدی میں ابھرنے والی اس جدیدیت کی تحریک کہ جس کی قیادت جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، رشید رضا اور سید احمد خان جیسی شخصیات نے کی تھی۔ ان کی کوششوں کا مقصد اسلام کو جدید سیاسی، سماجی، اور معاشی نظاموں کے ساتھ ہم آہنگ کرنا تھا۔ تاہم، اسلام کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی اس کوشش میں اسلامی اصولوں کا بگاڑ ایک لازمی امر تھا، تاکہ جدید دنیا کے نظریات جیسے قوم پرستی، سرمایہ داریت، انسانی قانون سازی، انسانی حقوق، جنسی مساوات، اور بین المذاہب ہم آہنگی جیسے مغربی تصورات کے ساتھ اسلام کی مطابقت پیدا کی جا سکے۔

جدیدیت کے اہم چیلنجز میں سے ایک یہ ہے کہ جدیدیت پسند مغربی افکار کو اسلام سے توجیح دینے کی کوشش کرتے ہیں، جیسے مسلم سرزمینوں پر قبضہ، عوامی وسائل کی نجکاری، رِبا پر مبنی معیشت، اور قومی ریاستوں کا قیام وغیرہ، جبکہ یہ افکار اسلامی فکر کے لئے اجنبی ہیں۔ جدیدیت کا ایجنڈا، اسلام کی ایسی توجیحات پر مشتمل ہے کہ وہ مغربی نظریات اور نظاموں کے ساتھ مطابقت پذیر نظر آئیں۔

جدیدیت کا مقصد قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی میں مغربی ورلڈ آرڈر کی اقدار کے لئے جگہ بنانا ہے۔ اس عمل میں اسلامی نصوص کی تشریح کو اس طرح سے موڑنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ قبضے، اقتصادی استحصال اور انفرادی آزادیوں کو فروغ دینے جیسے خیالات کو اسلام سے ہم آہنگ ثابت کریں، جو کہ دراصل اسلامی اصولوں کے منافی ہیں۔ جدیدیت کے حامی استدلال کرتے ہیں کہ اسلام کو جدید دنیا کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہیئے، تاہم وہ اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ بنیادی انسانی ضروریات کبھی تبدیل نہیں ہوتیں۔ نوعِ انسان کو اب بھی تجارت کرنے، ملکیت رکھنے، حکمران مقرر کرنے اور

سماجی تعلقات وغیرہ کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کچھ بدلا ہے تو وہ یہ ہے کہ ان ضروریات کو پورا کرنے کے ذرائع اور انداز ٹیکنالوجیکل ترقی کی بدولت تبدیل ہو گئے ہیں۔

جدیدیت پسندوں کے پیش کردہ دلائل میں ایک چیدہ دلیل یہ ہے کہ اسلام مختلف نظاموں جیسے حکومت، معیشت، یا سماجی قانونی فریم ورک کے لئے تفصیلی رہنمائی فراہم نہیں کرتا۔ تاہم ان کا یہ استدلال اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ اسلام میں گراں قدر وسیع علمی روایات موجود ہیں، جو ان موضوعات پر تفصیلی وضاحت پیش کرتی ہے۔

مثال کے طور پر، کلاسیکل اسلامی فقہاء جیسے کہ الماوردیؒ، ابن تیمیہؒ اور ابو یوسفؒ نے حکمرانی، معیشت اور سماجی تنظیم کے موضوعات پر جامع کتب تحریر کی ہیں۔ الماوردیؒ کی تصنیف "احکام السلطانیہ'' حکمرانی کی تفصیلات، حکمران ہونے کی اہلیت اور اسلامی ریاست میں قیادت کے اصولوں کو بیان کرتی ہے۔ ابن تیمیہؒ کی تصنیف "السياسة الشرعية'' ریاست کے کردار اور عوام کے ساتھ ریاست کے تعلقات پر روشنی ڈالتی ہے۔ ابو یوسفؒ، جو معروف عالم ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے، ان کی تصنیف "کتابُ الخراج'' اقتصادی عمل داریوں، خاص طور پر زمین کے خراج اور عوامی مالیات کے بارے میں تفصیلی حل پیش کرتی ہے۔

حدیث کی کتابیں، جو ہمارے محبوب نبی محمد ﷺ کے قول، فعل، اور کسی عمل پر آپ ﷺ کی خاموشی کا ریکارڈ ہیں، ان میں بھی حکومت، معیشت، سماجی تعلقات، حتیٰ کہ انفرادی رویوں کے بارے میں تفصیلی رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ کچھ احادیث میں حکمرانی کے بارے میں خاص ہدایات دی گئی ہیں، جیسے کہ حکمران کے لئے مرد ہونے کی شرط قرار دینے کی حدیث **«لن يُفْلِحَ قومٌ ولَّوْا أمرَهَمُ امرأَةً»** **"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کی نگہبانی (حکمرانی) کے لئے کسی عورت کو مقرر کرے"** یا خلافت کی وحدانیت کی حدیث **«إذا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ، فاقْتُلُوا الآخِرَ منهما»** **"اگر دو خلفاء کی بیعت ہو جائے، تو بعد والے کو قتل کر دو"** یا ریاستی امور سے متعلق اختیارات کے لیے ذمہ داروں کے تقرر کی حدیث **«بَعَثَ رسول الله ﷺ عمر على الصدقة»** **"رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ کو صدقہ (اکٹھا کرنے) پر مقرر کیا"**۔ اسی طرح ہم احادیث میں معیشت کے امور سے متعلق بھی تفصیلات پاتے ہیں جیسا کہ زمین کی ملکیت

اس کی تقسیم، یا بازار اور تجارت کے امور کیسے منظم کیے جائیں وغیرہ، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں ارشاد ہے، **«الناس شركاء في الثلاث: الماء والكلا والنار» "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، چراگاہ، اور آگ"**۔ یہ حدیث عوامی ملکیت (یعنی عوامی اثاثوں میں عوام کے اشتراک) کے تصور کو واضح کرتی ہے، جو کہ اسلام میں حکومت اور معاشی پالیسی کا ایک اہم پہلو ہے۔

سنت ان معاملات پر بھی بات کرتی ہے جیسے کہ (مارکیٹ میں) اجارہ داری کی ممانعت، جیسے حدیث میں آتا ہے **«مَنِ احْتَكَرَ فَهو خاطِئٌ»** "جس نے بھی اجارہ داری کی، وہ خطا پر ہے"۔ جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اسلام میں اجارہ داری کے حربے ممنوع ہیں۔ قیمتوں کے تعین کے معاملے میں، جیسا کہ حدیث میں ہے **«بل الله يخفِض ويرفع»** "..بلکہ اللہ (قیمتیں) کم کرتا اور بڑھاتا ہے"۔ کرنسی کے حوالے سے حدیث پاک میں ارشاد ہے **«الوزنُ وزنُ أَهْلِ مَكَّةَ والمِكْيالُ مِكْيالُ أَهْلِ المدينة»** "وزن (میں معیار) مکہ والوں کا وزن ہے اور پیمانہ (مقدار میں معیار) مدینہ والوں کا ہے"۔ اسی حدیث کے ذریعے سونے اور چاندی پر مبنی اسلامی کرنسی کا معیار مقرر کیا گیا جس میں چاندی کا درہم 2.975 گرام اور سونے کا دینار 4.25 گرام مقرر کیا گیا۔ اسی طرح رسول پاک ﷺ نے معاشرے کو زمین کی ملکیت کے مسائل پر بھی ہدایت دیں، جیسے کہ حدیث میں آتا ہے **«من أحيا أرضًا مَيتةً فهي له» "جس کسی نے مردہ زمین کو زندہ کیا، وہ اسی کی ہے"** اور غیر منصفانہ ٹیکسیشن کے حوالے سے حدیث میں آتا ہے **«لا يدخل الجنة صاحب المكس»** "جو (غیر قانونی) ٹیکس لیتا ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔ یہ احادیث اسلام کے سیاسی نظام زندگی کے بارے میں جامع رہنمائی میسر کرتی ہیں۔

جدیدیت کی اسلامی تشریح میں ایک اہم چیلنج، حدیث کے حوالے سے جدیدیت کا کردار ہے۔ کچھ جدیدیت پسند کہتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے جبکہ حدیث کو اسی زمرے میں نہیں رکھا جا سکتا، یہ صرف انسانی بیانات کا مجموعہ ہے۔ تاہم یہ نظریہ حدیث کے اُس مرکزی کردار کو نظر انداز کرتا ہے جو قرآن کے متن کی وضاحت اور تفصیلات کے بیان پر مبنی ہے۔

قرآن مجید خود سنت کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ بات حتمی طور پر ثابت ہے کہ 'سنتِ مبارکہ' وحی ہی ہے، متن میں بھی قطعی (قطعی الثبوت) ہے اور دلالت میں قطعی (قطعی الدلالۃ) ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى**﴾ **"اور وہ نہیں بات کرتے اپنی خواہشات کی بنیاد پر"**(سورہ النجم؛53:3)۔ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے بارے میں بیان کیا، ما يقول قولا عن هوى وغرض "نبی ﷺ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ اُن کی اپنی خواہش یا غرض سے نہیں ہے"۔ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں کہا، ما يخرج نطقه عن رأيه، إنما هو يوحي من الله عز وجل "جو کچھ بھی آپ ﷺ بولتے ہیں وہ ان کی اپنی رائے نہیں ہے۔ یہ صرف وحیٔ الٰہی ہے جو اللہ عزوجل کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہے"۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى**﴾ **"یہ تو صرف وحی ہے جو ان پر اتاری گئی"**(سورہ النجم؛ 53:4)۔ ابن کثیرؒ نے بیان کیا، [إنما يقول ما أمر به ، يبلغه إلى الناس كاملا موفرا من غير زيادة ولا نقصان] "آپ ﷺ لوگوں کو صرف وہی کچھ پہنچاتے ہیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، مکمل طور پر، بغیر کسی اضافے یا کمی کے"۔ سنت کے بغیر، اسلامی قوانین کی عملی تفصیلات جیسے کہ عبادات (جن میں نماز اور روزہ کا طریقہ) اور دیگر قوانین کا تفصیلی طریقہ کار واضح نہ ہو سکتا تھا۔

علاوہ ازیں، احادیث کی حفاظت کا طریقہ کار قرآن مجید کی آیات کی حفاظت کے طریقہ کار کے مشابہ تھا۔ دونوں کو زبانی منتقل کیا گیا اور بعد میں دستاویزی شکل میں لکھا گیا۔ احادیث کے مجموعے کی تصدیق کے لئے کڑی جانچ کا طریقہ کار اختیار کیا گیا تاکہ ان کی مستند حیثیت کو یقینی بنایا جا سکے۔ محدثین، علمائے احادیث، جیسے کہ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور دیگر نے راویوں کی اسناد اور متن کی درستگی کی تصدیق کے لئے جامع طریقہ کار وضع کیا۔ تصدیق کے اس طریقہ کار نے یہ یقینی بنایا کہ صرف سب سے قابل اعتماد احادیث ہی محفوظ کی جائیں۔

جدیدیت پسندوں کے اس دعوے کے باوجود کہ احادیث قرآن مجید کی طرح منظم طریقے سے محفوظ نہیں کی گئیں، تاریخی ثبوت خود یہ ظاہر کرتے ہیں کہ احادیث کے جمع کرنے اور حفاظت کے عمل میں انتہائی احتیاط برتی گئی۔ اس عمل میں نہ صرف روایات کا ایک دوسرے تک منتقل ہونا شامل تھا بلکہ راویوں کے کردار، حافظہ اور معتبر ہونے کا تفصیلی جائزہ بھی

شامل تھا۔ مثال کے طور پر ابو موسیٰ کے حوالے سے حدیث پر عمر بن الخطابؓ کا سوال کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ خلفاء راشدین کے دور میں بھی احادیث کی چھان بین میں کس قدر احتیاط برتی جاتی تھی۔

الجريري نے ابو ندرا سے روایت کیا جنہوں نے ابو سعیدؓ سے روایت کیا کہ ابو موسیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کو دروازے کے باہر سے تین مرتبہ سلام کیا لیکن انہیں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ لہٰذا وہ واپس چلے گئے۔ عمرؓ نے ان پیچھے کسی کو بھیجا اور ان سے پوچھا کہ آپ واپس کیوں چلے گئے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا، **«إذا سلم أحدكم ثلاثاً فلم يُجب فليرجع» "جب آپ میں سے کسی نے تین مرتبہ سلام کیا (اجازت چاہی) اور جواب نہ ملا، تو اسے چاہیے کہ واپس پلٹ جائے"** (مسند احمد)۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، 'لتأتيني على ذلك ببينة أو لأفعلن بك'، "آپ کو اس معاملے میں میرے پاس ثبوت لانا ہو گا ورنہ میں آپ کو سزا دوں گا"۔ ابو موسیٰ ہمارے پاس آئے جب ہم بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا چہرہ پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ ہم نے کہا: "آپ کو کیا ہوا؟"۔ لہٰذا انہوں نے ہمیں معاملہ بتایا اور پوچھا "کیا آپ میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہے؟' ہم نے جواب دیا 'ہاں، ہم سب نے یہ حدیث سنی ہے'۔ پس ہم نے اپنے میں سے ایک آدمی کو گواہی کے لیے بھیجا حتیٰ کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور انہیں سب معاملہ بتایا"۔

اسی طرح، علیؓ سے مروی ہے، 'كنت إذا سمعت من رسول الله حديثاً نفعني الله بما شاء منه، وإذا حدثني عنه محدث استحلفته فإن حلف لي صدقته'، "جب میں رسول اللہ ﷺ سے خود کوئی حدیث سن لیتا تو جتنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہتے تو اس سے مجھے نفع حاصل ہوتا، اور اگر کوئی اور میرے سامنے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم اُٹھواتا، اور اگر وہ قسم اُٹھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا"۔

مزید برآں، احادیث کی حفاظت کی اہمیت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعمال میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ کثرت روایات کی وجہ سے معروف ہیں، ان کا مشہور بیان ہے کہ 'ما من أحد من أصحاب النبي أكثر حديثاً مني إلا ما كان من عبد الله بن عمر فإنه

كان يكتب ولا أكتب'،"رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی مجھ سے زیادہ احادیث روایت نہیں کیں ،سوائے عبداللہ بن عمرؓ کے، کیونکہ وہ انہیں تحریر کر لیتے تھے، جبکہ میں نہیں لکھتا تھا"۔ان واقعات سے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرنے کی محتاط دستاویزی کوششیں نمایاں نظر آتی ہیں۔

جدیدیت پسندوں کی طرف سے احادیث کو بطور سند کمزور کرنے کی کوشش اس حقیقت کو بھی نظر انداز کرتی ہے کہ حدیث بھی اسلام میں قرآن مجید ہی کی طرح ایک حقیقی شرعی مصدر ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیات نبی کریم ﷺ کی اتباع اور پیروی کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿**وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا**﴾ "جو کچھ بھی رسول ﷺ آپ کو دیں، اسے لے لو، اور جس سے آپ کو منع کریں، اس سے رک جاؤ"(الحشر؛ 59:7)۔ اسی طرح، اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) نے ایک اور آیت میں فرمایا، ﴿**وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى**﴾ **"اور وہ نہیں بات کرتے اپنی خواہشات کی بنیاد پر، بلکہ یہ تو صرف وحی ہے جو ان پر اتاری گئی"**(النجم 3-4)۔ یہ آیات تصدیق کرتی ہیں کہ نبی کے اعمال اور اقوال صرف ہدایت نہیں ہیں، بلکہ وحیٔ الٰہی بھی ہیں۔

سنت بھی قران ہی کی طرح قانونی اور معاشرتی مسائل کے حوالے سے ضروری احکام بتاتی ہے، جن کی اتباع لازم ہے۔ مثال کے طور پر، مرد وزن کے آزاد اختلاط کی ممانعت، اقتصادی لین دین کے نظم وضبط، اور نکاح کے معاہدوں وغیرہ کا صحیح طریقہ سنت سے ہی اخذ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح، سنت حکمرانوں کی تقرری، جنگ کے طریقے، اور عوامی امور کے انتظام کے تفصیلی قواعد فراہم کرتی ہے۔ یہ سب امور ایک عادلانہ اور موئثر اسلامی ریاست کے کردار کے لئے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی طرح جدیدیت کی تحریک اکثر حدیث کی اتھارٹی کو کمزور کرنے کی کوشش میں یہ استدلال بھی پیش کرتے ہیں کہ روایتی اسلامی تعلیمات پرانی ہو چکی ہیں اور جدید دور کے طرز زندگی سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس دلیل کی مثال 2004ء میں RAND کارپوریشن کی طرف سے شائع کردہ "سول ڈیموکریٹک اسلام" کے نام سے شائع شدہ رپورٹ سے بھی دی جا

سکتی ہے، جس کے اپنڈکس A- میں بعنوان "حدیث کی جنگ" میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ "جوابی حدیث" کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دینی چاہیے، جو زیادہ لبرل، ہمہ گیر مساوات اور جمہوری تشریحات کی حمایت کرتا ہو۔ یہ کوشش مغرب کی اس خواہش کی عکاسی کرتی ہے جو اسلام کو مغربی اقدار اور مغربی نظاموں کے مطابق ڈھالنا چاہتی ہے، خاص طور پر مغرب کی جمہوری اور سیکولر اقدار کے ساتھ۔

تاہم، ایسی کوششیں اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہتی ہیں کہ اسلام ایک مکمل نظام ہدایت ہے، جو ماضی اور حال، ہر زمانے میں انسانیت کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہے۔ نوعِ انسانی کی بنیادی ضروریات، جیسے انصاف، اقتصادی استحکام، حکمرانی، صحت، سکیورٹی، تعلیم اور سماجی ہم آہنگی جیسی ضروریات میں کبھی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ البتہ صرف وہ چیز جس میں در حقیقت تبدیلی آتا ہے، وہ ان ضروریات کو پورا کرنے کے ذرائع اور اسلوب ہیں۔ چاہے وہ جدید بینکاری سہولیات ہوں، جدید مواصلاتی ٹیکنالوجیز، یا جدید جنگی ٹیکنیکس ہوں، اسلام ہر دور کے نئے اسالیب اور آلات کو اپنے مطابق ڈھالنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ قرآن اور حدیث پر مبنی روایتی اسلامی نظام جدید دور کے معاشرتی مسائل کے لئے آج بھی موزوں اور جامع حل فراہم کرتا ہے۔

"اسلامی جدیدیت" کی یہ کاوش جو دراصل اسلام کو مغربی لبرل ازم کے مطابق دوبارہ تشریح کرنے کی کوشش ہے، حدیث کی اتھارٹی اور اہمیت کو براہ راست چیلنج کرتی ہے۔ سنت کی اہمیت کو کمزور کر کے، جدیدیت پسند اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں جامع رہنمائی سے محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاہم، قرآن مجید اور سنت نبوی کی بنیاد پر مربوط اسلامی نظام، انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مکمل اور قابل عمل فریم ورک مہیا کرتا ہے۔ اسلام کو جدید مغربی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش، نہ صرف غلط ہے بلکہ اسلامی تعلیمات کی دائمی اہمیت کو بھی نظر انداز کرتی ہے۔ حدیث کے علم میں، جرح و تعدیل کے ایک سخت پیمانہ کی بدولت، حدیث آج بھی اتنی ہی معتبر، اہم اور شرعی نص کا درجہ رکھتی ہے جتنی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی، اور یہ جدید دنیا کے چیلنجوں کے لئے دائمی حل پیش کرتی ہے۔

فہرست

دور اندیشی سے محروم روس اور 'فتح' کا سراب

فضل امزائیف، یوکرین

گزشتہ چند مہینوں میں کئی ایسے واقعات پیش آئے ہیں جو اس خیال کو تقویت دیتے ہیں کہ امریکہ یوکرین بحران کے حوالے سے تنازعہ کو طول دینے کی حکمت عملی جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس تنازعہ کا تسلسل یوریشیا کے تھیٹر میں موجود تمام بڑی طاقتوں، یعنی یورپ، روس، اور چین کو کمزور کر رہا ہے۔ یورپی ممالک اور روس کی کمزوری کا مظاہرہ بھاری فوجی اخراجات اور روس و یورپ کے مابین اقتصادی تعلقات کے خاتمے سے واضح ہے۔ جہاں تک چین کا تعلق ہے، روس کا غیر یقینی مؤقف چین کو مؤثر اقتصادی تعاون کے قیام سے روک رہا ہے، جس کے نتیجے میں چینی معیشت روسی وسائل کی کمی کے باعث مشکلات کا شکار ہے۔

یہاں یوکرین کی موسم گرما 2023 میں ہونے والی ناکام جوابی کارروائی کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس ناکامی کی بنیادی وجہ مغربی شراکت داروں، خاص طور پر امریکہ کی جانب سے یوکرینی فوج کو مناسب ہتھیاروں کی ناکافی فراہمی تھی۔

یکم نومبر 2023ء کو "دی اکانومسٹ" کے ساتھ ایک انٹرویو میں، یوکرینی افواج کے اُس وقت کے کمانڈر انچیف ویلری زالوزنی (Valeriy Zaluzhny) نے سفارتی لہجہ میں امریکہ سے ہتھیاروں کی ناکافی سپلائی کی طرف اشارہ کیا اور کہا، "اس جمود سے نکلنے کے لیے ہمیں کچھ ایسا نیا ہتھیار درکار ہے، جیسے چینیوں کے لیے بارود کی ایجاد تھا، جسے آج بھی ہم ایک دوسرے کو مارنے کے لیے استعمال کرتے ہیں"۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اگر اہم برتری حاصل نہ ہوئی تو یوکرین ایک طویل مدتی محاذ آرائی کا سامنا کرے گا، جو اسے تھکا دے گی۔

بظاہر، یہ زالوزنی کی طرف سے "بارود کی ایجاد تک" روس سے نہ لڑنے کی خواہش ہی تھی جو اس کے کمانڈر انچیف کے عہدے سے برطرفی کی وجہ بنی۔ یکم دسمبر 2023ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس (Associated Press) کے ساتھ اپنے انٹرویو میں، یوکرینی صدر زیلنسکی نے بھی کہا، "ہمیں وہ تمام ہتھیار نہیں ملے جن کی ہمیں ضرورت تھی، اس پر خوشی کا اظہار ممکن نہیں، لیکن اس بارے میں زیادہ گلہ بھی نہیں کر سکتا"۔

گزشتہ سال 17 نومبر 2024ء کو، برطانیہ میں یوکرین کے سفیر کے طور پر، زالوزنی نے یوکرینی جوابی حملے کی ناکامی کے اسباب کے بارے میں ایک زیادہ تفصیلی بیان دیا۔ انہوں نے کہا کہ 2023ء کا جوابی حملہ، جس کی قیادت ان کے پاس تھی، اس لیے ناکام ہوا کیونکہ مغرب کی جانب سے ہتھیاروں کی فراہمی ناکافی تھی۔ انہوں نے کہا، ''نتیجتاً ہم ایک طویل جنگ کی حالت میں ہیں۔ میری ذاتی رائے میں، اس طویل جنگ سے نکلنے کی کوئی امید نہیں''۔ ان سب عوامل سے واضح طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ 2023ء کے موسم گرما سے روس کے یوکرین پر حملے کے سلسلے میں تنازعہ کو طول دینے کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے۔

دسمبر 2023ء سے اپریل 2024ء کے آخر تک، امریکی سینیٹ اور کانگریس میں یوکرین کو 60 بلین ڈالر فراہم کرنے پر دو پارٹیوں کے درمیان تنازعہ شروع ہوا۔ اگرچہ دونوں جماعتوں کے درمیان حقیقی اختلافات موجود ہیں، لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ یہ تمام تنازعات امریکہ کی طرف سے یوکرین میں تنازعہ کو طول دینے کی منصوبہ بندی کے عین مطابق ہیں۔

عمومی طور پر، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امریکہ روس کے لیے اس جنگ میں فتح یاب ہو جانے کا دھوکہ پیدا کرتا رہا ہے، جس کا مشاہدہ فروری 2022ء میں روس کے یوکرین پر حملے کے ابتدائی دنوں میں کیا جا سکتا ہے۔ ہم سب کو یاد ہے کہ جنگ کے ابتدائی دنوں میں امریکی اور برطانوی تجزیہ نگاروں نے کہا تھا کہ دارالحکومت کیف (Kyiv) 48 گھنٹوں میں ہی گر جائے گا۔ اس کے بعد میڈیا ذرائع، جن میں یوکرینی ذرائع بھی شامل ہیں، انہوں نے اطلاع دی کہ روس یوکرینی شہروں کو بجلی کی فراہمی منقطع کر کے اندھیرے میں دھکیلنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اسی عرصے کے دوران روسی افواج نے اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے 2022-2023 کی سردیوں میں اپنے تمام ذخیرہ شدہ میزائلوں کو یوکرین کے خلاف جنگ میں استعمال کر دیا۔

2023ء کے موسم گرما میں یوکرینی جوابی حملے کی ناکامی کے بعد، روس کو یہ خواب دکھائے گئے کہ یوکرین کمزور ہے اور جلد ہی گر جائے گا، مغربی حمایت اور خاص طور پر امریکی حمایت غیر مستحکم ہے، اور کسی بھی دن یوکرین امریکہ کے دباؤ میں

آ کر روس کے ساتھ براہ راست مذاکرات کے لیے بیٹھنے پر مجبور ہو گا۔ یہ بیانیہ 2024ء کے موسم گرما میں دنیا اور یوکرینی میڈیا میں عام ہو گیا تھا۔

یوکرین نے بھی اس امریکی حکمت عملی کے مطابق عمل کیا۔ مثال کے طور پر، اس کے صدر زیلنسکی نے 2024ء کے اواخر بہار سے موسم گرما کے آخر تک اس بات کے بارے میں مبہم بیانات دیے کہ تنازعہ کے فعال مرحلے کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، جسے روس نے بلاشبہ یوکرین کی طرف سے مذاکرات شروع کرنے کی خواہش کے طور پر سمجھا۔ بظاہر 2024ء کے موسم گرما کے شروع سے وسط تک، یوکرین اور روس کے درمیان متحارب فریقوں کی جانب سے بنیادی سہولیات پر حملے روکنے کے حوالے سے کچھ خفیہ رابطے ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب 08 جون 2024ء کو یوکرینی افواج نے کورسک ریجن میں روس کے بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا، تو روسی صدر پیوٹن نے شکایت کی کہ یوکرین کے ان اقدامات کے بعد مذاکرات کی بات ممکن نہیں رہی۔

امریکہ کی یہ حکمت عملی روس کو یوکرین کے ساتھ جنگ میں "فتح کا سراب" دکھانے جیسی ہے، جس کے ذریعے روسی قیادت مذاکرات کی توقع میں رہے، اور اس کے نتیجے میں روس کو اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ شدت کے ساتھ فوجی کارروائیوں پر مجبور کیا جائے گا۔ روس جانتا ہے کہ جتنا زیادہ یوکرینی علاقہ وہ مذاکرات سے پہلے اپنے قبضے میں لے سکتا ہے، اتنا ہی علاقہ اس کے کنٹرول میں رہ جائے گا، کیونکہ مذاکرات کا مطلب ہو گا کہ محاذ پر موجود فرنٹ لائن کو منجمد کر دیا جائے۔

یہ حکمت عملی روس کو اس یقین کے ساتھ اپنے تمام وسائل جنگ میں جھونکنے پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ جنگ جیت جائے گا اور اسی لئے وہ میدان جنگ میں مسلسل جارحیت میں رہتا ہے۔ امریکہ کے نکتۂ نظر کے مطابق، یہ امر بالآخر روس کو اس قدر کمزور کر دے گا کہ وہ نہ صرف یوکرینی بحران بلکہ دیگر عالمی امور میں بھی امریکہ کے حکم کے آگے جھک جائے گا، خاص طور پر چین کے ساتھ مشترکہ محاذ آرائی کے معاملے میں، جس کی بڑھتی ہوئی طاقت پچھلی دہائی میں امریکہ کے لیے خصوصی طور پر تشویش کا باعث رہی ہے۔ یوکرین کے پاس وسیع علاقے ہیں، جو دشمن کو کمزور کرنے کے لیے استعمال کیے جا

سکتے ہیں۔ یہ معلوم حقیقت ہے کہ حملے کے دوران فوجی اور وسائل کے نقصانات دفاعی کارروائیوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں۔

اور یہی وہ امریکی منصوبہ ہے جو اس تنازعہ کے لئے عمومی طور پر ترتیب دیا گیا ہے۔ روس جو کہ سیاسی طور پر ناتجربہ کار، دور اندیشی سے محروم اور کسی نظریاتی یکجہتی کے بغیر ہے، جو اپنے تمام خارجی مسائل صرف ہتھیاروں کی طاقت سے حل کرنے کا عادی ہے، اس امریکی حکمت عملی کا مؤثر جواب دینے سے قاصر ہے۔ اسی لیے روس کے لیے یوکرین میں اس جال سے نکلنا مشکل لگتا ہے جس میں وہ پھنس چکا ہے۔

لہٰذا، اس وقت، کسی بڑی کشیدگی کے خاتمے کی توقع نہیں ہے۔ ہاں، ممکن ہے کہ مختصر مدت کے لیے جنگ بندی کا اعلان ہو، جس کے بعد کشیدگی مزید بڑھ جائے گی۔ لیکن اس کا امکان بھی کم ہے۔

فہرست

اے مختلف گروہو! یہی وقت ہے کہ آپ تمام غداروں سے منہ موڑلیں کیونکہ اب آپ کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

استاد خالد سعید

آپریشن "طوفان الاقصیٰ" کے ابتدائی دنوں سے ہی یہ واضح تھا کہ غزہ کے عوام کے ساتھ ہر حکمران غداری کر چکا ہے۔ کچھ حکمران اپنی شرمناک بے عملی پر بھی مطمئن نہ تھے، پس وہ جنگ میں دشمن کی طرف سے شریک ہونے، سازش کرنے اور دشمن کو تعاون فراہم کرنے کی طرف لپکے، جیسے مصر، قطر، اردن، متحدہ عرب امارات اور ترکی کے حکمرانوں نے کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ حکمران اس موقع کو استعمال کر کے، اپنے آقاؤں کی خدمت گزاری کے طور پر، فلسطین کے مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے، جدوجہد کرنے والی ہر پاکیزہ اور قیمتی جان کو مٹا دینے، اور باعزت و پروقار طرز عمل کی ہر علامت کو مٹا دینے کے درپے ہیں کہ جو ان کی سازش اور غداری کو بے نقاب کرے۔ وہ فلسطین کے مسئلے کو صرف اس طریقے سے نمٹتے ہیں جیسے ان کے نوآبادیاتی آقا ان سے مطالبہ کرتے ہیں۔ اسی لیے انہیں شرم نہیں آتی جب وہ غزہ کی سرزمین پر ہونے والی نسل کشی اور تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں، جبکہ یہ حکمران ایک انگلی ہلانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ وہ افواج کو روکے رکھتے ہیں اور انہیں متحرک ہونے سے منع کرتے ہیں۔ وہ ہر ایسی کوشش کے خلاف لڑتے ہیں جو افواج کو اسلامی شریعت کے مطابق اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے حرکت میں آنے کی خاطر کی جائے۔ وہ اپنی اس غداری پر ڈٹے رہتے ہیں جب وہ نشانہ بننے والوں اور ان کے قاتلوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتے ہیں۔ وہ کافر ممالک کے حکم پر فلسطینی عوام اور یہودیوں کے درمیان ثالثی کا کردار ادا کرتے ہیں، اس کے مطابق کہ جس کا فیصلہ یہ کافر ممالک خود کرتے ہیں۔ اپنے موقف اور ثالثی میں وہ یہودیوں کے قریب ہیں، کیونکہ وہ فلسطینی عوام کے خون اور طاقت کی سودے بازی کرتے ہیں تاکہ انہیں یہودیوں کے حق میں مقدس سرزمین اور مسجد الاقصیٰ سے دستبردار ہونے پر مجبور کریں۔ دباؤ اور سودے بازی کے تناظر میں "قاہرہ مذاکرات PLO" اور فلسطینی اتھارٹی اور باقی فریقوں کے درمیان، غزہ انتظامیہ کے بندوبست کے بہانے ہوئے۔ یہ سب کچھ امریکی حل کے وژن کے تحت ہے، اور اس کا مقصد مسلم ممالک میں عوام کو گمراہ کرنا اور فلسطینی بھائیوں کے لیے ان کے ہمدردی کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ مسلم دنیا کے یہ حکمران صرف انسانی امداد کے دائرے میں

متحرک ہوتے ہیں، جیسے غزہ کے عوام کو صرف کھانا اور دوا کی ضرورت ہو۔ اگر وہ کچھ فراہم کرتے بھی ہیں تو وہ صرف اس حد تک ہوتا ہے جس کی یہودی اجازت دیتے ہیں، اللہ ان کو مارے، یہ کیسے دغا کرتے ہیں!

جب "مزاحمت کے محور (Axis of Resistance)" نے "میدان جنگ کے محاذوں کا اتحاد" کا نعرہ بلند کیا، جس کا ہوّا سالوں سال بڑھتا جارہا تھا، تو کچھ لوگ یہ تصور کرنے لگے کہ اس نے اپنے معاملات ترتیب دے لیے ہیں اور اپنے سازوسامان کو تیار کیا ہے تاکہ ان کے ذریعے یہودی وجود پر حملہ کر کے اسے مکمل طور پر مٹا دیا جائے۔ یہودی وجود ایک مدھم ہوتا نشان بن جائے، اور پلک جھپکتے مٹ جائے اور ایک بھولی بسری شے بن جائے۔ تاہم، مزاحمت کا محور پہلی آزمائش میں ہی زمین بوس ہو گیا۔ اس کی اصلیت کا پتہ پہلی حقیقی آزمائش میں ہی چل گیا، جب آپریشن "طوفان الاقصیٰ" کے بعد اس نے غزہ کو یہودیوں کے تکبر اور ان کی قاتل اور تباہ کن فوجی مشینری کا سامنا کرنے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا، جنہیں کافر مغرب کی جانب سے ہر ممکن طاقت اور بغیر کسی حد کے مدد حاصل تھی۔ یہاں تک کہ "مزاحمت کے محور" کی مختلف گروہوں کی جانب سے غزہ پر جنگ کے 14 مہینوں کے دوران کیے جانے والی اقدام اور کاروائیاں، یہودی وجود کے خلاف محض محدود انتقامی کاروائیاں تھیں، چاہے یہ لبنان میں ایران کی حزب ہو، یا یمن میں حوثی ہوں، یا عراق کے گروہ۔ انہوں نے یہودی وجود کے خاتمے اور فلسطین کی آزادی کے لیے بھرپور فیصلہ کن جنگ نہیں کی۔ سب حملے حساب کتاب سے کیے گئے۔ اہداف کا بغور جائزہ لیا گیا تاکہ یہ حملے یہودیوں پر دباؤ ڈالنے اور انہیں امریکی منصوبے اور علاقے کے لیے اس کے وژن کے مطابق رہنے پر مجبور کرنے تک ہی محدود ہوں۔ یہ امریکہ ہی تھا جس نے پہلے دن سے غزہ کے خلاف نسل کشی کی جنگ کی قیادت کی۔ "مزاحمت کے محور" کی کاروائیاں صرف امت کے عوام کو دھوکے میں رکھنے کے لیے تھیں، وہ عوام جو مقدس سرزمین کو مدد فراہم کرنے کے لیے بے چین ہیں، اور یہودیوں کے خلاف جہاد اور لڑائی کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ مزید یہ کہ یہودیوں سے لڑنا صرف تنظیموں اور گروہوں تک محدود کیوں ہے، جب کہ مسلمانوں کی افواج موجود ہیں؟!

امریکہ کے حکم اور ایران کی رضامندی کے ساتھ، لبنان میں ایران کی حزب اور یہودی وجود کے درمیان یہودی وجود کی حفاظت اور سکیورٹی کی ضمانت دینے کے معاہدے پر دستخط کے بعد،

اب کوئی شک نہیں رہا کہ "مزاحمت کا محور" صرف ایک جھوٹ تھا۔ "میدان جنگ کے محاذوں کا اتحاد" محض ایک سراب تھا، جسے نادانوں نے پانی سمجھا تھا۔ اس نے انہیں شدید مایوس کیا۔ تاہم، ایسا ہونے پر تعجب کیوں؟! یہ ایجنٹ حکومتوں پر انحصار کرنے اور ان کے ساتھ اتحاد کا لازمی نتیجہ ہے، خواہ یہ وہ حکومتیں ہو جو یہودی وجود کے ساتھ تعلقات

نارملائز کرنے کی بات کرتی ہیں یا جو مزاحمت اور مخالفت کا دعویٰ کرتی ہیں، جن کے بارے میں ہم بار بار خبردار کر چکے ہیں۔ ہم تمام سچے لوگوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ان حکومتوں سے دور رہیں جو استعمار کی تخلیق ہیں، ہمارے ممالک میں ان کی مداخلت کا وسیلہ ہیں، اور استعماری طاقتوں کے مفادات کی وفادار محافظ ہیں۔

بغیر کسی مبالغے کے، جو کچھ ہوا ہے اور جو کچھ ابھی غزہ میں ہو رہا ہے، وہ بلاشبہ ہر معنوں میں جہاد کے کاز اور مجاہدین کا خاتمہ ہے۔ اس کا کسی خاص گروہ یا شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تباہی کی وسعت اور جرم کی شدت کے باوجود، ہم نے آج تک غزہ کے عوام کی طرف سے دی گئی عظیم قربانیوں کی مثال نہیں دیکھی۔ ان جرائم کی طرف نام نہاد مزاحمتی گروہوں کا طرزِ عمل اپنی روایتی ذہنیت اور طریقوں پر مشتمل تھا۔ گویا فلسطینی عوام کی تمام صلاحیتوں کو نشانہ بنانے، قتل، تباہی، مٹانے، کچلنے اور پیس ڈالنے نے اس مزاحمتی گروہ کے اندر کچھ بھی تبدیل نہیں کیا۔ یہ انہیں اپنی صورتحال پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور نہیں کر سکا۔ یہ انہیں اپنے تعلقات کو ان مجرم حکومتوں کے ساتھ دوبارہ پرکھنے پر مجبور نہیں کر سکا، اور نہ ہی یہ دیکھنے پر مجبور کر سکا کہ ان تعلقات کے نتیجے میں فلسطین اور اس کے عوام کے اوپر کیا آفات واقع ہوئی ہیں، فلسطینی عوام کی قربانیوں، جہاد اور خون کا کس قدر استحصال ہوا ہے، اور پھر یہ حکومتیں اپنی غداری کو فتح کے طور پر پیش کرتی ہیں! فلسطین کے مسئلے کے پورے عرصے کے دوران ان کی یہی عادت رہی ہے۔

اب وقت آ چکا ہے کہ یہ گروہ ان ایجنٹ حکومتوں سے اپنے تعلقات کو ختم کریں، اور امت کے سامنے ان کے ایجنٹوں کے سیاہ صفحات کو سفید بنا کر پیش کرنے سے باز آ جائیں۔ اب وقت آ چکا ہے کہ وہ یہ سمجھیں کہ یہ تعلق امت کو مفلوج کرنے اور اس کے طاقتور اور پرعزم لوگوں کی توانائی کو ختم کرنے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ایک ایسے وقت میں کہ جب خون بہہ رہا ہے اور جسموں کے ٹکڑے بکھر رہے ہیں، جب مساجد نماز کے دوران بمباری سے مسمار ہو رہی ہیں، جب گھروں کو ان کے مکینوں کے سروں پر گرایا جا رہا ہے جبکہ انہیں کوئی بھی مدد دینے والا نہیں ہے، اور ان پر گرنے والی قتل اور جرم کی مشینری کو روکنے کے لیے کوئی نہیں آ رہا۔ فلسطین میں جس ناکامی کی حالت کا ہم گلہ کرتے ہیں وہ ان حکومتوں پر شرمناک انحصار کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کہ ان گروہوں کا امت کو ایسے خطاب نہ کرنا کہ جس سے ان کا ایمان بیدار ہو، اور امت کو اپنے آپ کو آزاد کرنے اور شرمناک اور ذلت آمیز حکمرانوں کو ہٹانے کی تحریک نہ دینا۔

اے گروہو! یہ وقت ہے کہ آپ تمام ایجنٹوں اور غداروں کی طرف اپنی پشت کر لیں، کیونکہ ان سب نے ایک ہی غداری کے ذریعے آپ کو اور فلسطین کے عوام کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے۔ جو شخص یہودی وجود کے ساتھ تعلقات کے

قیام کا حامی ہے اور جو شخص محض مذمت کرتا ہے، ان میں کوئی حقیقی فرق نہیں ہے۔ یہ وقت ہے کہ آپ بازی کو ان حکمرانوں کی سروں پر پلٹ دیں، کیونکہ اب آپ کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ یہ وقت ہے کہ آپ اپنی امت کے سامنے اس کے حکمرانوں کے بارے میں سچائی کھول کر رکھیں۔ یہ وقت ہے کہ آپ مصلحت پر مبنی الفاظ بولنا بند کر دیں کہ جس کے آپ عادی ہیں۔ ان حکومتوں سے کسی اچھائی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مزید یہ کہ جتنا خون بہہ چکا ہے وہ کسی بھی مادی مفاد سے بڑا ہے۔

ہماری باتوں سے کسی کو بھی یہ تاثر نہ جائے کہ یہ ذمہ داری صرف گروہوں پر ہے۔ دراصل، ہمیشہ اور ہمیشہ کے لیے یہ ذمہ داری مجموعی طور پر اسلامی امت پر ہے۔ اسلامی امت پر یہ فرض ہے کہ وہ اقدام کرے اور فلسطین اور اس کے عوام کی طرف اپنے شرعی فرض کو پورا کرے۔ مسئلہ تمام جماعتوں سے بڑھ کر ہے، چاہے وہ سب متحد ہو جائیں۔

امت کو ہر سطح پر اٹھنا ہو گا۔ انہیں یہ سمجھنا ہو گا کہ فلسطین کی آزادی کا راستہ ایجنٹ حکمرانوں سے امت کی آزادی سے شروع ہوتا ہے، یوں امت کو اپنی صفوں کو یکجا کرنا ہو گا، اور اپنے وجود کو ایک بنانا ہو گا، خلافت راشدہ ثانیہ کی شکل میں، جو نبوت کے نقش قدم پر ہو۔ خلافت راشدہ ہی کے ذریعے یہودی وجود کا خاتمہ ہو گا، اور نوآبادیاتی کفار کی جڑوں کو اکھاڑا جائے گا۔ ورنہ ہماری امت کا دکھ جاری رہے گا، اور فلسطین اور اس کے عوام کا المیہ ختم نہیں ہو گا۔ جب تک غداری اور دھوکے پر مبنی حکومتی ڈھانچے موجود ہیں، یہ ختم نہیں ہو گا۔

فہرست

حزب التحریر کا مسلمانوں کی سرزمینوں کو استعمار سے آزاد کرانے کا مطالبہ

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

پاکستان کے بااثر حلقوں میں، حزب التحریر، سماجی بحث کا موضوع بن چکی ہے۔ اس بحث میں یہ بات شامل ہے کہ کیا حزب التحریر کی جانب سے مسائل کو حل کرنے کے لیے پیش کئے جانے والے شرعی علاج کو نافذ کیا جانا چاہیے تاکہ پاکستان کو درپیش بہت سے بحرانوں سے نکالا جاسکے۔ اس کے علاوہ بااثر حلقوں میں خود حزب التحریر، پاکستان میں حزب پر پابندی، اس کے خلاف ظلم و ستم، اس کے شباب کے خلاف ایذا رسانی اور قید و بند کے حوالے سے حکومت کے سخت طرزِ عمل کے بارے میں بھی سرگرم بحث پائی جاتی ہے۔ ایک نتیجہ خیز بحث کے لیے درج ذیل نکات پیش کئے جارہے ہیں اور یہ نکات بااثر افراد، پالیسی سازوں، صحافیوں، انسانی حقوق کی تنظیموں اور خاص طور پر قانونی برادری کے لیے پیش کیے جارہے ہیں۔

<u>اول</u>: حزب التحریر (آزادی کی جماعت) مسلمانوں کی سرزمین کو استعمار سے آزاد کرانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ عربی کے لفظ "تحریر" کا مطلب آزادی یعنی غلامی سے آزادی ہے۔ حزب التحریر مسلم سرزمین کو استعمار کے افکار، نظام اور احکام سے آزاد کرانے کے ساتھ ساتھ استعماری ریاستوں کے تسلط اور اثرورسوخ سے آزادی دلانے کا مطالبہ کرتی ہے۔

حزب التحریر مسلمانوں کو فکری طور پر بلند کرکے ان کی آزادی اور احیاء کے لیے کام کرتی ہے۔ یہ کام مسلمانوں کے اندر اسلام کے صحیح افکار اور تصورات پیدا کرنے سے ہوتا ہے۔ درحقیقت، حزب التحریر ایک سیاسی جماعت ہے، جس کا نظریہ اسلام ہے۔ حزب التحریر قرآن مجید کی درج ذیل آیت کے جواب میں قائم کی گئی تھی، **﴿وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ "اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں"** (آل عمران؛3:104)۔

تو پھر حزب التحریر کو مسلمانوں کی سرزمین کو استعمار سے آزاد کرانے کا مطالبہ کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی؟

دوئم: حزب التحریر مسلمانوں کی زمینوں میں استعماری معیشت کو مسترد کرتی ہے۔ حزب کا دعویٰ ہے کہ فنانسنگ کے لیے غیر ملکی قرضے لینے کا طریقہ کسی بھی ملک کے لیے خطرناک ہے۔ ماضی میں، قرضے کسی ملک کو براہ راست استعماریت کے قبضے میں لانے کے لیے ایک ذریعہ تھے۔ آج، قرضے ممالک پر اثر و رسوخ اور تسلط بڑھانے کا ایک اہم طریقہ ہیں۔ یہ قرضے سودی قرضے ہیں اور مسلم سرزمینوں کو ان قرضوں کے گہرے جال میں دھکیل دیا گیا ہے۔ پھر استعماری مالیاتی ادارے، جیسے کہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ، ایسی شرائط عائد کرتے ہیں جس سے معاشی حالات خراب ہوتے ہیں۔ یہ شرائط غیر ملکی کمپنیوں کو مقامی خام مال کا استحصال کرنے اور اپنی بہتر اشیاء کے ذریعے مقامی منڈیوں پر غلبہ حاصل کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔ یہ شرائط مقامی صنعت کو غیر ملکی منڈیوں کے لیے کم قیمت کی اشیاء کی پیداوار تک محدود رکھتی ہیں۔ یہ شرائط ریاست کی صنعت اور عوامی املاک جیسے تیل اور بجلی کی نجکاری کو نافذ کرواتی ہیں، اور اس طرح ریاستی خزانے کو وسیع مالیاتی وسائل سے محروم کرتی ہیں۔

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ جیسی تنظیمیں بڑی طاقتوں بالخصوص امریکہ کی آلہ کار ہیں جو اپنے مفادات کے حصول کے لیے ان کو استعمال کرتی ہیں۔ یہ مسلمانوں اور ان کی زمینوں پر استعمار کا اثرورسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں حالانکہ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، کیونکہ شرعی اصول کے مطابق، **(الوَسِيْلَةُ إِلَى الحَرَامِ مُحَرَّمَةٌ) "حرام چیزوں تک پہنچانے والے وسائل وذرائع بھی حرام ہیں"**۔ حزب التحریر معاشی استعمار کے خاتمے کے لیے معیشت کے بارے میں اسلامی شرعی احکام کے نفاذ کا مطالبہ کرتی ہے۔

تو کیوں حزب التحریر کو مسلمانوں کی سرزمین میں استعمار کی معیشت کے خاتمے کا مطالبہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی؟

سوئم: حزب التحریر مسلمانوں کی زمینوں پر استعماری فوجی غلبے کو مسترد کرتی ہے۔ حزب اس بات پر زور دیتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے استعماری ریاستوں کے ساتھ فوجی معاہدے کرنے کی اجازت نہیں دی، جیسے کہ باہمی دفاعی معاہدے، باہمی سلامتی کے معاہدے، اور اس سے متعلق کوئی بھی فوجی سہولت، جیسے فوجی اڈے، ہوائی اڈے، یا بندرگاہیں لیز پر دینا۔ استعماری ریاستوں اور ان کی فوجوں سے مدد لینے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

حزب التحریر اسلام کی بنیاد پر مغرب کی فوجی استعماریت کی سیاسی مخالفت کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کافر ریاستوں سے مدد طلب کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ آپ ﷺ نے مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل

کرنے سے منع فرمایا، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **«لاَ تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ»** **"مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو"** (احمد)۔ آگ جنگ کے لیے ایک کنایہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ، **«فَإِنَّا لاَ نَسْتَعِينُ بِمُشْرِكٍ»** **"ہم مشرک سے مدد نہیں چاہتے"** (صحیح ابن حبان)۔

تو کیوں حزب التحریر کو مسلمانوں کی سرزمین پر مغربی فوجی استعماریت کے خاتمے کا مطالبہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی؟

پنجم: حزب التحریر مسلمانوں کی زمینوں پر استعمار کی ثقافت کو مسترد کرتی ہے۔ خلافت کی تباہی کے بعد استعمار نے اپنے نظریے یعنی سرمایہ داریت کے نقطہ نظر سے تعلیم کے لیے نصاب تیار کیا۔ یہ مذہب کو ریاست سے الگ کرنے، اور مذہب کو زندگی سے الگ کرنے کا نظریہ ہے، جیسا کہ "جو چیزیں قیصر (بادشاہ) کی ہیں وہ قیصر کو دے دو، اور جو چیزیں خدا کی ہیں وہ خدا کو دے دو"۔ اس بنا پر انسان وہ ہے جو اپنی زندگی کا نظام خود قائم کرے۔

حزب التحریر کا مسلمانوں کی سرزمین پر استعمار کی ثقافت کو مسترد کرنا اسلام کے نقطہ نظر پر مبنی ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ قانون ساز ہے اور اسی نے انسانوں کے لیے نظام دیا، اور ریاست کو اسلام کے شرعی احکام کا حصہ بنایا۔ شریعت کے مطابق ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تمام اعمال شرعی احکام کے مطابق سرانجام دے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا، **﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾** **"تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ تب تک مومن نہیں ہوں گے جب تک اپنے تمام تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں"** (النساء، 4:65)۔

تو کیوں حزب التحریر کو مسلمانوں کی سرزمین میں استعمار کی ثقافت کے خاتمے کا مطالبہ کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی؟

آخری بات، حزب التحریر ایک سیاسی جماعت ہے جس کا نظریہ اسلام ہے۔ یہ اپنے کام اور جدوجہد کو سیاسی اور فکری اعمال تک محدود رکھتی ہے، اور اس طریقہ کار پر عمل کرتی ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں دعوت دی تھی۔ حزب التحریر کے تمام سیاسی اور فکری موقف اسلام کی بنیاد پر ہیں۔ یہ مسلمانوں کی سرزمین پر ہر قسم کی استعماریت کو ختم کرنے کے لیے کام کرتی ہے۔ یہ اسلامی نظامِ خلافت کے تحت مسلمانوں کی زمینوں کو یکجا کرنے کے لیے کام کرتی ہے۔ ایک ایماندار اور نتیجہ خیز بحث کے لیے، ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس ہر اُس شخص کو پرتپاک دعوت دیتا ہے جو حزب التحریر کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔

فہرست

سوال وجواب: نصرۃ طلب کرنا، نصرۃ دینا، اور اللہ کی نصر

محمد علی بوعزیزی کے نام

سوال:

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته،

اللہ آپ کو توفیق دے اور آپ کو اجر سے نوازے۔

ایک تو طلبِ نُصرۃ ہے اور دوسرا پہلو اس مطالبے پر لبیک کہنا یعنی اہلِ قوت کی طرف سے نُصرۃ دیا جانا ہے اور تیسرا پہلو اللہ کی نَصر ہے۔ تو کیا نصرۃ کے مطالبے کے جواب میں لبیک کہا جانا اور نصرۃ دیا جانا، اللہ کی نصر کے مترادف ہے؟ مجھے یاد ہے جیسا کہ سیرت میں آیا ہے: ابن ہشام نے اپنی سیرت کی کتاب میں بیان کیا: "جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی نصر کرنا چاہی تو اُس نے اہل مدینہ میں سے ایک گروہ کو ان کی مدد کے لیے کھڑا کیا۔ اور کیا اللہ کی نصر آنے والی نئی ریاست کے ساتھ لازم ہے، جو ان شاء اللہ موجودہ پیمانوں کو پلٹا کر رکھ دے گی، امت کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جھنڈے تلے جمع کرے گی، اور اگر مغرب نے ہم پر حملہ کیا تو اس سے جنگ کرے گی؟ اور کیا نصر ظاہری اور محسوس شکل میں ہوتی ہے جیسے بدر کی جنگ میں فرشتوں کے ذریعے مدد کی گئی، یا خندق کی جنگ میں تند و تیز ہوا کے ذریعے مدد کی گئی، یا پھر یہ معاونت، تائیدِ ایزدی اور دشمن کے دلوں پر رعب و دہشت طاری کر دینے کی شکل میں بھی ہوتی ہے؟

سوال کے اندر ان مختلف جہتوں کی تفصیل پر معذرت خواہ ہوں، اللہ عزوجل آپ کو بہترین انعام دے۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

جواب:

وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته

1- النصر کے متعدد پہلو ہیں، مثلاً دعوت کی فکر کا دیگر خیالات پر غالب آنا ایک پہلو ہے، لوگوں کا دعوت کے گرد جمع ہونا اور اس کی طرف کھِچ آنا اور اس دعوت کی حمایت کرنا، اس کا دوسرا پہلو ہے، اور دعوت کے حامیوں کا اپنی دعوت پر ثابت قدم رہنا بھی ایک پہلو ہے... وغیرہ۔

2- اللہ کی نصر کے مختلف پہلوؤں میں اہل قوت کا دعوت کو نصرہ دے کر اس کا مثبت جواب دینا بھی شامل ہے، لیکن نصر اپنے کامل مدد کے معنوں میں اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ یہ نصرۃ (اہل قوت کی طرف سے مادی مدد

حاصل نہ ہو جائے اور حزب حکمرانی میں نہ آ جائے، یعنی ریاست قائم ہو اور اسلام کو عملی طور پر نافذ کر دیا جائے اور اہل عالم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے... دعوت کے سیاق میں مکمل نصر کا مطلب ہے کہ ایک نقطۂ ارتکاز وجود پذیر ہو، یعنی ریاست قائم ہو جائے۔ کیونکہ ریاست کے بغیر زندگی کے میدان میں اسلام موجود نہیں ہو سکتا... نصر کے دیگر پہلو بھی اگرچہ خیر پر مبنی ہوتے ہیں لیکن ان کے ذریعے زندگی کے میدان میں اسلام کی موجودگی کو قائم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ضروری ہے کہ ریاست قائم ہو اور اسلام کو عملی طور پر حکمرانی میں لایا جائے، تاکہ کارزار حیات میں اسلام کا بول بالا ہو اور نصر مکمل شکل اور جامع صورت میں حاصل ہو جائے۔

3- ہمیں یقین ہے کہ ریاست خلافت راشدہ الثانی قائم ہو گی اور باقی رہے گی اور امت مسلمہ کو مدد اور استحکام دلانے میں اس کی قیادت کرے گی۔ کیونکہ وہ شرعی دلائل جو اس کے قیام کے متعلق ہیں، اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ باقی رہے گی اور قدم جمائے گی اور عدل کے ذریعے حکمرانی کرے گی۔ جیسا کہ:

- اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ**﴾ "**اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا، اور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کیا، مضبوط کر دے گا، اور ان کے خوف کے بعد انہیں امن عطا کرے گا کہ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں بنائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو وہی نافرمان ہیں**" (النور؛ 24:55)۔ یہ آیت عام ہے، اور یہ ان شاء اللہ آنے والی ریاستِ خلافت پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ آیت سے یہ واضح ہے کہ تمکین اور امن حاصل ہو گا، اور یہ اس وقت ہی ممکن ہے جب اسے ثبات حاصل ہو جائے اور اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کرے۔

- مسند امام احمد اور مسند طیالسی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((إِنَّكُمْ فِي النُّبُوَّةِ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً عَاضّاً، فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ جَبْرِيَّةً، فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ))، ثم سكت۔ "تم میں نبوّت کا دور رہے گا جب تک کہ اللہ چاہے گا، پھر جب وہ اس کو اٹھانا چاہے گا تو اسے اٹھا**

لے گا، پھر اس کے بعد خلافت ہو گی جو نبوّت کے نقش قدم پر ہو گی، اور تب تک رہے گی جب تک کہ اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا، اس کو اٹھالے گا، پھر اس کے بعد دانتوں سے پکڑ لینے والی حکمرانی ہو گی، اور وہ تب تک رہے گی، جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا، اس کو اٹھالے گا، پھر اس کے بعد جابرانہ حکمرانی ہو گی، اور وہ تب تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ چاہے گا، اس کو اٹھالے گا، پھر اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت ہو گی۔ اس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے"۔ اور دوسری خلافت کا منہج نبوت پر ہونا تبھی یہ معنی رکھتا ہے جب وہ مستحکم اور قائم رہے۔

- مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ، فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ...)) "جب تک مسلمانوں کی یہود کے ساتھ جنگ نہ ہو جائے، قیامت قائم نہیں ہو گی، چنانچہ مسلمان ان کو قتل کریں گے"**۔ ایک اور روایت میں یوں آیا ہے کہ: **((تُقَاتِلُكُمُ يَهُودُ، فَتُسَلَّطُونَ عَلَيْهِمْ)) "یہود تم سے قتال کریں گے، مگر تمہیں ان پر (سزا دینے کے لیے) مسلط کیا جائے گا"**۔ اس کا مطلب ہے کہ یہودیوں کی ریاست کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیا جائے گا، اور غالب گمان یہی ہے کہ یہ تب ممکن ہو گا جب دوسری خلافت قائم ہو، مستحکم ہو اور فتح حاصل کرے۔

- امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: **((لَيَبْلُغَنَّ هَذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَلَا يَتْرُكُ اللَّهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ هَذَا الدِّينَ بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ عِزًّا يُعِزُّ اللَّهُ بِهِ الْإِسْلَامَ وَذُلًّا يُذِلُّ اللَّهُ بِهِ الْكُفْرَ..)) "یہ دین ہر اس جگہ تک یقیناً پہنچے گا جہاں تک رات اور دن آتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسا کوئی گھر نہیں چھوڑے گا، چاہے وہ مٹی کا ہو یا اون کا، جس میں اللہ تعالی اس دین کو داخل نہ کرے، عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ، ایسی عزت جو اللہ اسلام کے ذریعے عطا کرے گا اور ایسی ذلت جس سے اللہ کفر کی وجہ سے دوچار کرے گا"**۔ اسی طرح امام بیہقی نے اپنی سنن الکبریٰ میں اور امام حاکم نے مستدرک میں بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دوسری خلافتِ راشدہ قائم ہو گی، مستحکم ہو گی اور پوری دنیا کو اپنے دائرے میں لے لے گی۔

4- لیکن اوپر ذکر کردہ باتوں کا مطلب یہ نہیں کہ خلافت ہر جنگ میں فتح حاصل کرے گی، ممکن ہے کہ کسی جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑے، لیکن آخر کار فتح اس کا مقدر ہو گی۔ یعنی وہ کچھ جنگیں ہار بھی سکتی ہے، لیکن اللہ کی مرضی سے

عسکری کشمکش کا اختتام خلافت کی فتح پر منتج ہو گا، بالکل جیسے پہلی اسلامی ریاست کا حال تھا۔ اس نے بعض جنگیں ہاریں لیکن جنگ کا اختتام اس کی فتح پر ہوا اور وہ سابقہ ادوار میں دنیا پر حکمرانی کرتی تھی۔

5- جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے: (کیا نصر ظاہری اور محسوس شکل میں ہوتی ہے جیسے بدر میں فرشتوں کی مدد اور خندق میں ہوا کا چلنا یا یہ نصر معاونت، تائید، اور دشمن کے دلوں میں دہشت ڈالنے کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے؟)، تو یہ سب ممکن ہے، اور اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ وہ اپنے مومن بندوں کی مدد اپنی خاص لشکروں سے کرواتا ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ **"اور تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے"** (المدثر: 74:31)۔ لیکن شرعی حکم ہمیں تیاری کرنے کا حکم دیتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾** **"اور ان کے خلاف جو کچھ بھی طاقت تمہارے بس میں ہو، تیاری کرو، اور گھوڑوں کو تیار رکھو تاکہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر ہیبت طاری ہو، اور ان کے علاوہ بھی دوسرے لوگوں پر جنہیں تم نہیں جانتے، مگر اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں ہو گا"** (الانفال: 8:60)۔

امید ہے کہ یہ جواب کافی ہو گا،

واللہ اعلم

آپ کا بھائی،

عطاء بن خليل أبو الرشتة

22 جمادی الآولی 1446ھ،

بمطابق 24 نومبر 2024ء

#أمیر_حزب_التحریر

فہرست

سوال کا جواب: شام میں رونما ہونے والے واقعات اور الاسد حکومت کا خاتمہ

(عربی سے ترجمہ)

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اخبار الشرق الاوسط نے 8 دسمبر 2024ء کو شائع کیا: "اور الاسد حکومت کا خاتمہ ہو گیا: شامی اپوزیشن نے آج اتوار کو اعلان کیا ہے کہ اس نے دمشق کو آزاد کرا لیا ہے اور صدر بشار الاسد کی 24 سالہ حکومت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ سرکاری ٹیلی ویژن پر اپوزیشن کے بیان میں کہا گیا ہے کہ: "الحمدللہ دمشق شہر آزاد کرا لیا گیا ہے اور ظالم بشار الاسد کا تختہ الٹ دیا گیا ہے"۔ اپوزیشن نے مزید کہا کہ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا ہے"۔

هيئة التحرير الشام نے 27 نومبر 2024ء کو شمالی شام میں "رد العدوان" کے نام سے حملہ شروع کیا تھا، جس کے بعد 30 نومبر 2024ء کو شامی قومی فوج (Syrian National Army) نے "فجر الحرية" کے نام سے حملہ شروع کیا۔ حلب پر قبضہ کر لیا گیا اور ساتھ ہی اِدلب کے تمام علاقوں پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا گیا، پھر حماہ، حمص... اور آج دمشق... اور یہ سب تقریباً دس دنوں میں ہوا... تو شام میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

براہِ مہربانی وضاحت فرمائیں، شکریہ

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معاملات کو واضح کرنے کے لیے درج ذیل حقائق پر غور کرنا ضروری ہے:

اول: وہ دھڑے جنہوں نے حملہ شروع کیا:

- 28 نومبر 2024ء کو بی بی سی کے مطابق حملے میں شریک دھڑے "غرفة عمليات الفتح المبين" ہیں، جس کی قیادت هيئة التحرير الشام Hayat Tahrir As-Sham کر رہی ہے اور اس میں ترکی کی حمایت یافتہ

"الجبهة الوطنية للتحرير" اور "جماعة جيش العزة" شامل ہیں... نیز شامی قومی فوج (SNA) بھی شامل ہے، جو ترکی کی حمایت یافتہ باغی دھڑوں کے اتحاد کی نمائندگی کرتی ہے اور "غرفة عمليات الفتح المبين" کا حصہ نہیں ہے۔.. اس طرح حملے میں شریک زیادہ تر دھڑے ترکی کے ماتحت اور وفادار ہیں۔ 'شامی قومی فوج' ترکی کی تخلیق کردہ ہے، هئية التحرير الشام ترکی کی نگرانی میں ہے، اور هئية التحرير الشام اور ترکی کے درمیان قربت ہر صاحبِ بصیرت شخص کو متوجہ کرتی ہے۔

دوم: یہ اقدامات ابتداء میں بشار کے لیے ایک تادیبی پیغام کی طرح تھے کیونکہ اس نے اردوغان کے مطالبات کا جواب نہیں دیا تھا جہاں اس نے روسی صدر پیوٹن سے درخواست کی تھی: "انقرہ اور دمشق کے درمیان مفاہمت کی بات چیت کو آگے بڑھانے پر کام کریں اور بشار اس ملاقات کی دعوت قبول کرلیں جو اس نے بشار کو دی ہے"... (روئٹرز 25 اکتوبر 2024)، لیکن بشار نے جواب نہیں دیا بلکہ ترک فوج کے انخلاء کا مطالبہ کیا اور شرطیں عائد کیں اور ٹال مٹول کیا، اور روسی ثالث لافروف نے اس کی تصدیق کی اور 1 نومبر 2024ء کو ترکی کے اخبار حریت کو بتایا کہ بشار ترکی فوج کے انخلاء کا مطالبہ کر رہا ہے... کہ اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ شمالی شام میں ترکی کی فوج کی موجودگی ہے، تو اردوغان ناراض ہو گیا اور هئية التحرير الشام اور شامی قومی فوج کو حرکت میں آنے کے لیے گرین سگنل دے دیا۔ "اپوزیشن کے ذرائع، جو ترکی انٹیلی جنس کے ساتھ رابطے میں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ انقرہ نے حملے کے لیے گرین سگنل دے دیا ہے"۔ (جرمن نشریاتی ادارہ ڈوئچے ویلے، 30 نومبر 2024)۔

سوم: اگرچہ یہ اقدام ابتدا میں ادلب کے گرد کم تناؤ والے علاقوں کو آزاد کرانے کے لیے تھا، اور ترکی کی جانب سے بشار کو مذاکرات کے لیے پیش کی جانے والی پیشکشوں کا جواب نہ دینے کے نتیجے میں تھا، تاکہ اس کے اور اپوزیشن کے درمیان سیاسی حل تلاش کیا جا سکے، لیکن عوام کے بڑے حصے جو بشار کے ظلم و ستم کا شکار ہیں اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام محاذوں پر نکل آئے، اور ادلب کے گرد کم تناؤ والے علاقوں میں جو منصوبہ بندی کی گئی تھی وہ صرف اس تک محدود نہیں رہے، بلکہ اس سے تجاوز کرتے ہوئے شام کے مختلف علاقوں میں پہنچ گئے... اور چونکہ شامی فوج بھی بشار کے ظلم و ستم کا شکار تھی اور اس کے دفاع کے لیے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی، لہٰذا اس کا اپنی پوزیشنوں سے انخلاء کا سلسلہ جاری ہو گیا... پھر کم کشیدگی والے علاقوں de-escalation zone کے بعد عوام کے متحرک حصے حلب، حماہ، اور پھر حمص میں داخل ہوئے اور

آخر کار شامی عوام کی نقل و حرکت دمشق تک پہنچ گئی، اور یہ سب 27 نومبر 2024ء کو نقل و حرکت شروع ہونے کے بعد سے دس دنوں میں تیزی سے ہوا۔

چہارم: علاقائی اور عالمی طاقتوں کے مؤقف

1- جہاں تک ایران اور روس کا تعلق ہے: تو وہ ہونے والے واقعات سے حیران رہ گئے اور روس نے حمیم فضائی اڈے اور طرطوس بحری اڈے میں سکیورٹی کو بڑھا دیا اور دونوں ممالک کے درمیان رابطہ ہوا ("ایرانی وزیر خارجہ عراقچی نے اپنے روسی ہم منصب لافروف کے ساتھ شام میں پیش رفت پر تبادلہ خیال کیا"... اناضول، 30 نومبر 2024)۔

اس حملے کے بعد ایران نے اسے روکنے اور ترکی کے ساتھ مسائل حل کرنے کے لیے سفارتی طور پر حرکت کی، اس کے وزیر خارجہ عباس عراقچی 2 دسمبر 2024ء کو انقرہ پہنچے اور اپنے ترکی ہم منصب ہاکان فیدان سے ملاقات کی... جس نے اپنے امریکی ہم منصب بلنکن سے بات کی اور کہا: "نظام اور اپوزیشن کے درمیان سیاسی عمل کو شام میں امن اور سلامتی کے لیے مثبت نتائج برآمد کرنے چاہئیں"... اناضول 1 دسمبر 2024)۔

2- جہاں تک ترکی کا تعلق ہے: تو وہ مذاکرات کے ذریعے بشار کے ساتھ پرامن سیاسی حل چاہتا تھا، جیسا کہ امریکہ بھی چاہتا تھا، لیکن بشار کو لگا کہ وہ جلدی جواب نہ دے کر رعایتیں حاصل کر سکتا ہے، اس لیے وہ اردوغان کی پیشکشوں پر جوابات میں اس خیال سے ٹال مٹول کر رہا تھا، کہ اس سے امریکہ ناراض نہیں ہو گا، اور ایسا لگتا ہے کہ اردوغان اس سے پریشان ہو گیا، اس لیے اس نے بشار کو سبق سکھانے کے لیے امریکہ سے منظوری لے لی تاکہ مذاکراتی حل ایک ایسے جنگی ماحول میں ہو جہاں بظاہر اردوغان کی بشار پر حاوی ہو... اس طرح اس نے اپوزیشن کے دھڑوں کو حملہ کرنے پر اکسایا اور انہیں اسلحہ اور انٹیلی جنس معلومات فراہم کیں:

الف- اردوغان نے 25 اکتوبر 2024ء کو قازان میں بڑے ممالک کے اجلاس کے موقع پر پیوٹن سے ملاقات کے بعد صحافیوں سے کہا کہ "اس نے روسی صدر پیوٹن سے درخواست کی ہے کہ وہ انقرہ اور دمشق کے درمیان مفاہمت کی بات چیت کو آگے بڑھانے پر کام کرے اور بشار اس ملاقات کی دعوت قبول کر لے جو انہوں نے انہیں دی ہے"... (روئٹرز 25 اکتوبر 2024)۔

ب-روسی ثالثوں نے اردوغان کو ایک سے زیادہ بار جواب دیا کہ بشار کے ساتھ ملاقات اور مفاہمت کے لیے کچھ شرائط ہیں، بشمول شام سے ترکی فوج کا انخلاء... روس کے وزیر خارجہ لافروف نے 1 نومبر 2024ء کو ترکی کے اخبار حریت کو بتایا کہ "ترکی اور شام، دونوں باہمی تعلقات کو معمول پر لانے کے لیے بات چیت دوبارہ شروع کرنے میں سنجیدہ دلچسپی رکھتے ہیں، اور اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ شمالی شام میں ترک فوج کی موجودگی ہے"۔ تو یہ بشار کی ضد کی نشاندہی کرتا ہے جس نے اردوغان کے مفاہمت کے لیے بے چین موقف کا فائدہ اٹھایا، اور ساتھ ہی اس نے عرب ممالک کی حمایت کا بھی فائدہ اٹھایا اور اسے لگا کہ امریکہ اب بھی اسے چاہتا ہے کیونکہ اب تک امریکہ کو اس کا کوئی متبادل نہیں ملا!

ج-اور جب ترکی حکومت ان حالات میں بشار کے ساتھ مذاکراتی حل سے مایوس ہو گئی، تو اس نے امریکہ سے منظوری لے لی کہ مذاکراتی حل بشار پر دباؤ ڈالنے والی فوجی کارروائی کے بعد ہو۔ لہٰذا اردوغان نے 27 نومبر 2024ء سے مسلح دھڑوں کو حرکت میں لانا شروع کر دیا اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ یہ ترکی حکومت ہی تھی جس نے انہیں بشار حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے آگے بڑھنے کی اجازت دی یعنی ترکی کی جانب سے گرین سگنل دیا گیا۔ (اپوزیشن کے ذرائع جو ترکی انٹیلی جنس کے ساتھ رابطے میں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ انقرہ نے حملے کے لیے گرین سگنل دے دیا ہے۔ جرمن نشریاتی ادارہ ڈوئچے ویلے، 30 نومبر 2024)؛ یہ اس لیے تھا تاکہ بشار اردوغان کے ساتھ بیٹھنے اور ترکی کے ساتھ مفاہمت کرنے اور اپوزیشن کے ساتھ صلح کرنے پر راضی ہو جائے... اور پھر امریکی احکامات کے مطابق سیاسی حل، یعنی شام کے لیے "ایک نئے دور" کا آغاز ہو، جیسا کہ اردوغان نے اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل گٹیرس کے ساتھ ٹیلی فون پر بات چیت کے دوران کہا "ترکی کے صدر طیب اردوغان نے جمعرات کو زور دے کر کہا کہ شام ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے جسے امن کے ساتھ سنبھالا جا رہا ہے"... (العربیہ-5،21 دسمبر 2024)۔

3-جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے: تو وہ شامی اپوزیشن کے حملے سے حیران نہیں ہوا، امریکی قومی سلامتی کے مشیر جیک سلیوان نے کہا: "ہمیں مسلح شامی اپوزیشن کی جانب سے، نئے حالات سے فائدہ اٹھانے پر حیرت نہیں ہوئی"۔ (الجزیرہ نیٹ، 1 دسمبر 2024)، اور اس نے کوئی پریشانی کا اظہار نہیں کیا، الجزیرہ نیٹ کی یکم دسمبر 2024ء کی رپورٹ کے مطابق وائٹ ہاؤس نے کہا: "ہم شام میں صورتحال پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور پچھلے 48 گھنٹوں کے دوران ہم نے علاقائی دارالحکومتوں سے رابطے کیے ہیں..."، امریکی قومی سلامتی کونسل کے ترجمان شان ساویت نے کہا "امریکہ اپنے شراکت داروں اور اتحادیوں کے ساتھ مل

کر کشیدگی کم کرنے، شہریوں اور اقلیتوں کے تحفظ، اور ایک سنجیدہ اور قابل اعتماد سیاسی عمل کے آغاز پر زور دیتا ہے جو اس خانہ جنگی کو یکبارگی اور ہمیشہ کے لیے سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 2254 کے مطابق سیاسی تصفیہ کے ذریعے ختم کر سکے"۔ آر ٹی، 1 دسمبر 2024)"... الجزیرہ نے 2 دسمبر 2024 کو اپنی ویب سائٹ پر بتایا: امریکی وزارت خارجہ نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا ہے کہ "موجودہ کشیدگی شامی قیادت کی طرف سے، تنازعے کے سیاسی حل کی اشد ضرورت کی تصدیق کرتی ہے، جو سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 2254 کے مطابق ہو"، یہ 2015ء کی اقوام متحدہ کی قرارداد کی طرف اشارہ تھا، جس نے شام میں امن کے عمل کی منظوری دی تھی اور آج تک اس پر عمل درآمد نہیں ہوا... اس قرارداد میں جنوری 2016ء میں شام میں امن مذاکرات شروع کرنے کی بات کی گئی تھی، اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ شامی عوام ہی ملک کا مستقبل طے کریں گے۔ اس میں عبوری حکومت تشکیل دینے اور اقوام متحدہ کی نگرانی میں انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور شہریوں کے خلاف کسی بھی حملے کو فوری طور پر روکنے کا مطالبہ کیا گیا تھا... الحرۃ نے 4 دسمبر 2024ء کو اپنی ویب سائٹ پر شائع کیا: "بلنکن نے کہا کہ اس وقت سب سے اہم بات... سلامتی کونسل کی قرارداد کی بنیاد پر سیاسی عمل کو آگے بڑھانا ہے، تاکہ شام میں خانہ جنگی کو حل کیا جاسکے اور ختم کیا جاسکے"... یہ خبر نیوز ایجنسی نے 7 دسمبر 2024 کو اپنی ویب سائٹ پر شائع کی: ترکی کی وزارت خارجہ نے کہا کہ ہم نے بلنکن کو مطلع کیا ہے کہ شامی حکومت کو اپوزیشن کے ساتھ بات چیت کرنی چاہیے۔

4- جہاں تک یہودی ریاست کا تعلق ہے: تو یورو نیوز عربی نے 30 نومبر 2024ء کو درج ذیل رپورٹ کیا: "(اسرائیلی) وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو گزشتہ منگل کی شام حزب اللہ کے ساتھ جنگ بندی قبول کرنے کا اعلان کرنے کے لیے (اسرائیلیوں) کے سامنے آئے۔ اپنی تقریر میں، نیتن یاہو شامی صدر بشار الاسد کا ذکر کرنے سے باز نہیں آئے، اور اپنی تقریر میں کہا "الاسد آگ سے کھیل رہا ہے"۔ اس بیان کے چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ شامی دھڑوں نے شمالی شام میں الاسد کی افواج کے خلاف باضابطہ مربوط حملہ شروع کر دیا، جس نے بہت سے سوالات کو جنم دیا۔ اسرائیلی میڈیا کے مطابق، نیتن یاہو نے شمالی شام میں پیش رفت کے حوالے سے ایک خصوصی سکیورٹی اجلاس منعقد کیا، جو اس طرح کے معاملے کے لیے غیر معمولی بات ہے... پھر الجزیرہ نیٹ نے 1 دسمبر 2024ء کو رپورٹ کیا کہ اخبار یدیعوت احرونوت نے کہا: "(اسرائیلی) فوج نے ایک ایرانی طیارے کو شام میں اترنے سے روک دیا کیونکہ اسے شبہ تھا کہ وہ لبنانی حزب اللہ کے لیے ہتھیار لے جا رہا ہے"، گویا یہودی ریاست اس بات کو یقینی بنانا چاہتی ہے کہ ایران شامی تھیٹر میں دوبارہ زور و شور سے واپس نہ آسکے، اور بہانہ یہ بنایا کہ وہ

لبنان میں حزب اللہ کے لیے ہتھیار لے جا رہا ہے۔ اس طرح وہ شام اور پھر لبنان میں ایران یا ایرانی حزب اللہ کو عسکری قوت جمع کرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

پنجم: خلاصہ... اوپر بیان کردہ نکات کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

1- وہ فریق جس کا شام میں کم تناؤ والے علاقوں پر حملوں کے آغاز پر کنٹرول تھا، وہ ترکی ہے اور اس کے پیچھے امریکہ ہے۔

2- وہ دونوں اس سے "ایک نئے دور"... اور "ایک سنجیدہ سیاسی عمل شروع کرنا" چاہتے تھے... شام میں نئی حکومت کے معاملات کو ترتیب دینے کے لیے... اور یہاں میں اس سلسلے میں امریکی اور ترکی حکام کے کچھ بیانات دہرا رہا ہوں:

امریکی قومی سلامتی کونسل کے ترجمان شان ساویت نے کہا: "امریکہ اپنے شراکت داروں اور اتحادیوں کے ساتھ مل کر تناؤ کم کرنے، شہریوں اور اقلیتوں کے تحفظ، اور ایک سنجیدہ اور قابل اعتماد سیاسی عمل کے آغاز پر زور دیتا ہے جو اس خانہ جنگی کو یکبارگی اور ہمیشہ کے لیے سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 2254 کے مطابق سیاسی تصفیہ کے ذریعے ختم کر سکے۔" آر ٹی، 1 دسمبر 2024)... ترکی کے صدر طیب اردوغان نے جمعرات کو زور دے کر کہا کہ شام ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے جسے امن کے ساتھ سنبھالا جا سکے... (عربی-21، 5 دسمبر 2024)۔

3- اگرچہ انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ وہ اس سیاسی حل سے کیا مراد لیتے ہیں جس کی طرف یہ حملے لے جا رہے ہیں، لیکن محاذوں پر مختلف طاقتوں کے ٹکراؤ کی حقیقت اس بات کا امکان ظاہر کرتی ہے کہ جس چیز کا امریکہ اور اس کے حواریوں نے انتظام کیا ہے وہ ان طاقتوں کے درمیان ایک مخلوط شامی حکومت ہے جو ظالم کی جگہ لے گی جس کا تختہ الٹ دیا گیا ہے، اور اس میں خود مختار علاقے ہوں گے جو عراق میں کرد علاقے کی خود مختاری سے ملتے جلتے ہوں گے...

4- امریکہ، جو حل کو کنٹرول کرتا ہے، اس حل کو یہودیوں کے مفادات کو پورا کرنے کے لیے ترتیب دے گا جیسا کہ امریکہ نے 27 نومبر 2024ء کی صبح یہودیوں اور لبنان کے درمیان جنگ بندی کے معاہدے میں اور اسی دن شام میں فوجی تصادم کے آغاز سے ہی اسے یہود کے لیے یقینی بنایا تھا۔ اس طرح ایران کو لبنان میں موجود اپنی حزب کی حمایت کے لیے، شامی تھیٹر میں فوجی زور و شور کے ساتھ واپس آنے سے روکا جائے گا، یعنی ایران اور لبنان میں موجود حزبِ ایران کے درمیان زمینی فوجی رابطے کو کاٹ دیا جائے گا۔

یہ وہ امور ہیں جن کی طرف شام میں حملوں کے آغاز کے لیے اوپر بیان کردہ امریکی اور ترکی حکام کے بیانات اشارہ کرتے ہیں۔

ششم: اور آخر میں، آج شام میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے، یعنی بہایا گیا خون، تباہ شدہ مکانات، اور بے گھر خاندان، تو یہ ایک دردناک معاملہ ہے، خاص طور پر چونکہ یہ ایک ایسے سیاسی حل اور نئے دور کو تلاش کرنے کے لیے ہے جو مسلمانوں کے ممالک میں قائم ان سیکولر سول حکومتوں سے زیادہ مختلف نہیں ہے جنہیں استعماری کافروں اور ان کے ایجنٹوں نے سو سال پہلے اسلامی نظام حکومت (خلافت) کا خاتمہ کرکے قائم کیا تھا... اس کے بعد سے قومیں ہم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں ہیں جیسے لوگ کھانے کے پیالے پر ٹوٹ پڑتے ہیں... اس کے باوجود، امت ایک بار پھر عزت اور وقار کے ساتھ واپس آئے گی جیسا کہ پہلے تھی، اور خلافت راشدہ اللہ کے حکم سے ایک بار پھر قائم ہو گی... لیکن اللہ کا قانون یہ ہے کہ آسمان سے فرشتے ہم پر نازل نہیں ہوں گے جو ہمارے لیے خلافت قائم کریں اور ہم صرف بیٹھے رہیں بلکہ یہ ان لوگوں کے ہاتھوں ہو گا جو اپنے رب پر ایمان لائے اور جنہیں ہدایت نصیب ہوئی... اور ہمارے پاس ایسے لوگ موجود ہیں، چاہے وہ فوج میں ہوں یا اپوزیشن میں، چاہے ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، خاص طور پر چونکہ واقعات کا مشاہدہ کرنے والا، دیکھتا ہے، جبکہ دس دن گزر چکے ہیں، کہ حکومت کے خلاف مزاحمت کرنے والے صرف وہی نہیں ہیں جنہوں نے حکومت کے ساتھ اس محاذ آرائی کا آغاز کیا، جیسے ترکی کے حواری اور اس کے پیچھے امریکہ، تاکہ اس سیکولر تبدیلی کو ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر منتقل کیا جا سکے... بلکہ محاذ آرائی میں دوسرے لوگ بھی شامل ہو گئے جو حکومت کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے ہیں اور نظام کو شامی مسلمان عوام کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے تبدیل کرنا چاہتے ہیں... تو ہم ان لوگوں سے اپیل کرتے ہیں: کہ وہ فاسد سیکولر سیاسی حل کو ناکام بنانے کی پوری کوشش کریں جو استعماری کافر اور ان کے ایجنٹ چاہتے ہیں... تاکہ ان کی قربانیاں، ان واقعات میں ضائع نہ ہو جائیں اور پھر یہ سب ماضی کی بات بن جائے! اور یہ کہ وہ اسلام کی حکومت، یعنی خلافتِ راشدہ، کے قیام کے لیے کام کرنے والوں کی حمایت کریں، تاکہ انہیں عظیم اجر اور عظیم فتح حاصل ہو... اور پھر وہ ان لوگوں میں سے ہوں، جن کے بارے میں خوشخبری سچ ثابت ہوئی، ﴿نَصْرٌ مِنَ اللهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ **"اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہو گی) اور فتح عنقریب ہو گی اور مومنوں کو (اس کی) خوشخبری سنا دیں"** (سورۃ الصف: آیت 13)

14 جمادی الثانی 1446 ہجری،

8 دسمبر 2024 عیسوی

فہرست

میڈیا پیغام:: یہودی وجود کا دندنانا اور بلادِ شام کی سرزمین پر اس کے نفرت آمیز حملے صرف اسلام کی حکمرانی اور اس کی ریاستِ خلافت سے ہی انہیں روکا جا سکتا ہے اور اس یہودی وجود کے سینگوں کو توڑا جا سکتا ہے

میڈیا آفس حزب التحریر ولایہ شام

اس ماہ کی آٹھ تاریخ کو ظالم اسد کے زوال کے بعد سے، یہودی وجود کے غول شام کی سرزمین پر پہنچ گئے، اور اس کے جنگی جہاز اس کے آسمانوں میں گھومنے لگے، جن کے نفرت آمیز فضائی حملوں سے متعدد شہر، قصبے اور فوجی مقامات متاثر ہوئے، یہاں تک کہ وہ مشرقی شام کے شہر دیر الزور تک پہنچ گئے، ان کینہ آمیز مجرمانہ حملوں کا ہدف وسطی اور جنوبی علاقوں میں فوجی اسلحہ ڈپوؤں، دفاعی ائر فورس، فوجی سائنسی تحقیقی مراکز اور فوجی ہوائی اڈے تھے، جس میں دمشق کے نواح میں واقع میزہ ملٹری ایئرپورٹ بھی شامل ہے۔ منگل 10 دسمبر 2024 کو یہودی وجود کی فوج نے انکشاف کیا کہ اس نے "تقریباً 80% شامی فوجی صلاحیتوں کے خلاف فضائی حملے کیے، جو کہ اسرائیل کی فضائیہ کی اب تک کی سب سے بڑی کارروائیوں میں سے ہے"۔

یہودی وجود شام کے دارالحکومت دمشق کے جنوب مغرب میں تقریباً 25 کلومیٹر کے فاصلے پر پہنچ گیا ہے اور نقشوں میں دکھایا گیا کہ یہودی وجود کی فوج کا کنٹرول ماؤنٹ ہرمون کی چوٹی پر، اور غیر فوجی زون کے اندر متعدد دیہات اور قصبوں میں 18 کلومیٹر کی گہرائی تک قائم ہو گیا ہے۔ یہودی وجود کے ریڈیو نے اعلان کیا کہ "350 لڑاکا طیاروں نے دمشق سے طرطوس تک کے مقامات پر حملہ کیا اور درجنوں طیارے، فوجی اڈے، فضائی دفاعی نظام اور ہتھیاروں کے ڈپو تباہ کر دیے"، جبکہ نیتن یاہو نے خبردار کرتے ہوئے کہا: "اگر یہ حکومت ایران کو اجازت دیتی ہے کہ وہ شام میں اپنی موجودگی دوبارہ مضبوط کرے، یا حزب اللہ کو ایرانی ہتھیار یا کسی اور کے ہتھیاروں کی فراہمی کی اجازت دے، یا اگر اس نے ہم پر حملہ کیا تو ہم اس کا بھرپور جواب دیں گے، اور اسے بھاری قیمت چکانی پڑے گی اور جو پچھلی حکومت کے ساتھ ہوا تھا اس حکومت کے

ساتھ بھی وہی ہو گا"۔ قابض فوج کے وزیر اسرائیل کاٹز نے کہا کہ "اسرائیلی" بحری میزائلوں نے شام کے جنگی بیڑے کو تباہ کر دیا، انہوں نے مزید کہا کہ "اسرائیلی" افواج شام اور گولان کی پہاڑیوں کے درمیان بفر زون میں تعینات ہیں، اور اس نے جنوبی شام میں "خالص دفاعی زون" کے قیام کا حکم دیا ہے اور یہ مستقل موجودگی نہیں ہے اور اس کا مقصد "اسرائیل کے خلاف کسی بھی دہشت گردی کے خطرے کو روکنے کے لیے ہے "نیتن یاہو نے 2024/8/12 کو شام کے ساتھ 1974 میں ہونے والے "disengagement کے معاہدے" کے خاتمے کا اعلان کیا، اور کہا کہ یہودی وجود کے زیر قبضہ اور الحاق شدہ شامی گولان کی پہاڑیوں کا حصہ "ہمیشہ کے لیے اسرائیل کا رہے گا"۔

یہ وہ یہودی وجود ہے جس نے غزہ اور اس کے گردونواح میں قتل عام کے بعد قتل عام کیا اور ان پر اپنے گولہ بارود، لاوے اور ہوائی جہاز کے میزائلوں کی بارش کی، جس میں اسے لامحدود امریکی حمایت حاصل تھی۔ یہ اس کا تکبر ہے کیونکہ اسے روکنے اور اس کے سینگوں کو توڑنے والا کوئی نہیں ہے۔ ایک نفرت آمیز جرم جو شام میں تمام اسٹریٹجک ہتھیاروں کو نشانہ بناتا ہے، اس خوف سے کہ وہ ان لوگوں تک نہ پہنچ جائیں جو انہیں صحیح سمت میں استعمال کریں گے، اور اگر شام ایک ٹوٹا ہوا بازو رہے گا تو وہ اس یہودی وجود کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے قابل نہیں ہو گا بلکہ اسے دھمکی لگانے کے قابل بھی نہ ہو گا۔ وہ چاہتے ہیں کہ مستقبل کا شام ایک کمزور، محکوم، ذلیل ریاست ہو، جس میں ہتھیار نہ ہوں اور وہ کسی چیز کا سہارا نہ لے سکے۔ جی ہاں، یہی امریکہ اور اس کا حامی، یہودی وجود چاہتے ہیں۔ نفرت آمیز پروازیں بغیر کسی رد عمل کے اڑان بھر رہی ہیں، لیکن جابر سرکش اسد کے اقتدار کے ملبے پر قیادت کا کنٹرول سنبھالنے والوں کی طرف سے مذمت کا بیان بھی نہیں آیا، ان کی طرف سے قبروں کی مانند خاموشی ہے، اس یقین دہانی کے ساتھ کہ ان کا کسی غیر ملکی جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ فرار ہونے والے ظالم اسد کے جواب کا حق محفوظ رکھتے ہیں، "اسٹریٹجک صبر" سے لطف اندوز ہوتے ہوئے، اور اس بات کی مذمت اور شکایت کرتے ہوئے کہ بین الاقوامی برادری اور یہودی وجود ہماری اس جنگ میں سابقہ نظام کی طرف سے شریک تھے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہودیوں کا یہ غرور جاری رہے گا اور اسے صرف اسلامی ریاست کے لوگ ہی روکیں گے، وہ خلافت ریاست جو قائم ہونے والی ہے اور جس کا قیام ہم سب پر فرض ہے، ایک ایسی ریاست جس کی قیادت صالح، آزاد اور پاکیزہ مومنوں پر مشتمل ہو۔ اللہ کے ایسے بندے جو ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے، جو یہودی وجود سے قتال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کریں گے اور وہ اس کے سینگوں کو توڑ دیں گے اور اس کی چالوں اور تکبر کو مٹی میں ملا دیں گے۔ اور اسے ماضی کا واقعہ بنا دیں گے، جو کہ اللہ کے اذن سے عنقریب ہو گا۔

ہم شام کی سرزمین کے ان آزاد انقلابیوں اور مجاہدین کو پکارتے ہیں، جنھوں نے انتہائی شاندار ہیر وازم اور بہادری کے بعد شام کے جابر سرکش حکمران کا تختہ الٹ دیا، کہ اس عورت کی طرح نہ بنیں "جس نے کپڑا بُننے کے بعد اس کے تارپود بکھیر دیے"، بلکہ وہ اسلامی ریاست کے قیام کی طرف اٹھیں اور حرکت میں آئیں، تاکہ ہم اللہ کی رضا اور اس کے قرب کے مستحق بنیں اور اللہ کی طرف سے نصر کی نعمت پر اللہ کا شکر ادا کر سکیں، ہماری تعریف اللہ کے لیے ہی ہے اور ہماری شکر گزاری اس کے لیے ہے جو اس ناکارہ، مجرمانہ، سیکولر حکومت کے ملبے پر اللہ کی شریعت کی حکمرانی اور اسلام کی ریاست کو قائم کرے گا۔ پھر یہودی وجود اور اس کے پیچھے دنیا کے کافروں اور مجرموں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح لڑا جاتا ہے اور قتال کیا جاتا ہے، اور تب ہی ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو صحیح معنوں میں لاگو کر سکیں گے:

﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ﴾ "اور قتال کرو ان سے، اللہ تمہارے ہاتھوں سے انہیں سزا دے گا، اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا"(التوبة:9:14)

فہرست

نُصرة

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ ٔراشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)۔